www.UrduFanz.com
اشتیاق احمد
اونچی مہم
انسپکٹر جمشید سیریز

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۵۶
پُر اسرار مہم
اشتیاق احمد

دو باتیں

یہ ناول جب شروع کیا تو اس وقت یہ خیال تک نہیں
تھا کہ اس کا سلسلہ طویل ہو جائے گا اور اسے دوسرے ناول
میں ختم کرنا پڑے گا؛ تاہم آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت
اس لیے پیش نہیں آئے گی کہ دونوں ناول ایک ساتھ آپ کو
ملیں گے، پھر بھی اگر آپ کو یہ بات ناپسند آئے تو میں
آئندہ ہر ممکن کوشش کروں گا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔
اس بار تو بالکل ہی مجبور ہو گیا تھا اور آپ جانتے ہی ہیں،
مجبوری کا دوسرا نام شکریہ ہے؛ لہذا آپ بھی شکریہ ادا
کیجیے، جس نے آپ کو چھڑی اور دو دو مرحمت فرمائی۔

کالا شیطان اور شیطان کے پجاری کی ڈاک ڈھیروں کے حساب
سے موصول ہونے کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ان خطوط
میں سے منتخب خطوط آئندہ ماہ کے ناولوں میں ہی پیش کیے
جا سکیں گے۔ یہ پڑھ کر کہیں چراغ پا نہ ہو جائیے گا کیونکہ
اب چراغوں کا زمانہ نہیں رہا، جی ہاں۔

خاص نمبر کے اندازی چیلنج کی ڈاک طوفانی انداز میں موصول ہو
رہی ہے، لہذا فی الحال اس کا اعلان جون کے ناولوں میں کیا جا رہا ہے۔

اشتیاق احمد

ترتیب

دعوت نامہ

دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے ایک دوسرے کی طرف چونک کر دیکھا۔ گھنٹی بجانے کا انداز بالکل انجانا تھا۔ ان دنوں وہ آرام کر رہے تھے۔ دفتر کی طرف سے انسپکٹر جمشید کو اور سکول کی طرف سے تینوں کو آرام کرنے کے لیے چھٹیاں ملی ہوئی تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ شیطان سے مقابلے نے انہیں تھکا دیا تھا، لہذا دفتر کی طرف سے انہیں کھلی چھٹی تھی کہ جب تک جی چاہے آرام کریں۔ یوں بھی ان کی وجہ سے اس مرتبہ حکومت کو کھربوں روپے کا فائدہ ہوا تھا۔ انہوں نے شیطان کا سارا خزانہ جوں کا توں حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ چاروں مشینیں بھی حکومت کے حوالے کر دی تھیں۔ اس دن کے بعد اخبارات میں کچھ اس انداز سے خبریں شائع ہوئی تھیں کہ ان کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ مبارک باد کے ٹیلی فون، خط اور ٹیلی گرامز کی ایک قطار لگ گئی تھی اور وہ اس قطار کے ہاتھوں بہت پریشان تھے۔ اگرچہ فاروق کا خیال تھا کہ قطار کے تو ہاتھ ہوتے

ہی نہیں، پھر بھی ان کا ناک میں دم تھا — انہوں نے آنے کے فوراً بعد پروفیسر انکل کو کھلونوں کے سمندر برد ہو جانے کی خبر سنا دی تھی اور فرمائش داغ دی تھی کہ اس مرتبہ تین کے بجائے چھ کھلونے بنائیں — پروفیسر داؤد کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ آفتاب، آصف اور فرحت سے وعدہ کر چکے ہیں۔ یہ سن کر پروفیسر داؤد مسکرائے تھے اور کھلونے جلد بنا کر دینے کا وعدہ کیا تھا، تاہم ابھی ان کا یہ وعدہ پورا نہیں ہوا تھا۔

ہاں تو دروازے کی گھنٹی نے انہیں چونکا دیا — انسپکٹر جمشید اس وقت غسل خانے میں تھے اور بیگم جمشید باورچی خانے میں۔

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ گھنٹی بجانے والا ہمارا واقف نہیں ہے۔" محمود سرسری انداز میں بولا۔

"پھر کیا ہوا، تم تو اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے ہمارے ہاں کوئی ناواقف آدمی آ ہی نہیں سکتا — یعنی کوئی شخص مبارک باد دینے کی غرض سے آ گیا ہو گا۔"

"ہوں، مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے، جیسے کوئی چکر شروع ہونے والا ہے۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا، کیونکہ ابھی تو اس کے منہ کی چوٹیں بھی ٹھیک نہیں ہوئی تھیں۔

"تمہارا تو دراصل چکرا دماغ ہے۔" محمود نے جھنجھلا کر کہا اور اٹھ کر دروازہ کھولنے چلا گیا — دونوں وہیں بیٹھے رہے، البتہ انہوں

نے اپنے رخ دروازے کی طرف کر لیے تھے۔

"تم دیکھ لینا فرزانہ، محمود ایک مدد کیس مول لینے جا رہا ہے۔"

"تمہیں تو واقعی وہم ہو گیا ہے یا شاید کیسویا ہو گیا ہے۔" فرزانہ شریر انداز میں مسکرائی۔

"یہ کیسویا کیا ہوتا ہے؟"

"ایک نئی بیماری، جو صرف اور صرف تمہارے لیے پیدا ہوئی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اوہو، بہت اونچی اڑ رہی ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا، تمہارے ساتھ تو بیٹھی ہوں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اوہو، میں سمجھ گیا — بی مینڈکی کو زکام ہوا ہے۔"

"مینڈکی کو ہوا ہو گا — مجھے تو گزشتہ ایک سال سے نہیں ہوا۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت انہوں نے محمود کے ساتھ سرکاری وردی میں کچھ لوگوں کو آتے دیکھا — محمود کا رخ ڈرائنگ روم کی طرف تھا — دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے، پھر جونہی محمود انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا، دونوں بیرونی دروازے کی طرف چل دیے اور اس میں جھری بنا کر باہر دیکھا — باہر ایک سیاہ رنگ کی جیپ کی کار

کھڑی تھی، جس پر نمبر پلیٹ کے نیچے وزارتِ دفاع لکھا تھا۔

"یہ وزارتِ دفاع کے آفیسروں کا ہمارے ہاں کیا کام؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"عجیب احمق ہو، کوئی کام ہوگا، تبھی تو آئے ہیں۔ یونہی تو آ نہیں سکتے تھے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"چلو خیر، تمہارا خیال تو ہو گیا غلط ثابت۔" فرزانہ ہنسی۔

"یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو۔ کیا خبر، یہ لوگ ہمارے لیے ایک عدد کیس ہی لے کر آئے ہوں۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے یہ سچ مچ ہمارے لیے کوئی کیس لے کر آئے ہیں۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی ہے۔"

اسی وقت انہوں نے محمود کو باہر آتے دیکھا۔ دونوں اس کی طرف بڑھے۔

"ہاں بھئی، کیا معاملہ ہے؟"

"وزیرِ دفاع نے کوئی دعوت نامہ بھیجا ہے۔" محمود بولا۔

"کیا ان کے بیٹے ویٹے کی شادی ہے؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"یہ ویٹے کیا ہوتا ہے؟"

"انہوں نے تفصیل نہیں بتائی۔ بس اتنا کہا ہے کہ وہ ایک

دعوت نامہ لائے ہیں۔" محمود نے اس کی بات کی طرف توجہ دیے بغیر کہا۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ وہ ایک دعوت نامہ لائے ہیں، کوئی کیس نہیں لائے اور فاروق کی چھٹی حس جھوٹی ثابت ہو گئی ہے۔"

"ارے۔ خبردار، جو میری چھٹی حس کی شان میں گستاخی کی۔" فاروق نے گویا فرزانہ کو للکارا۔

"تم دونوں آپس میں جھگڑو، میں ابا جان کو بتانے چلا۔"

وہ غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید باہر نکلتے نظر آئے۔

"کون آیا تھا بھئی؟" انہوں نے پوچھا۔

"وزیرِ دفاع کی طرف سے کچھ آفیسر آئے ہیں۔ وہ ایک دعوت نامہ لائے ہیں۔"

"دعوت نامہ۔" انسپکٹر جمشید فکرمند سے ہو گئے۔

"جی ہاں، انہوں نے یہی کہا ہے۔"

"اچھا، میں دیکھتا ہوں۔ تم اپنی امی سے کہو، مہمانوں کے لیے جلدی سے چائے وغیرہ کا بندوبست کریں۔"

"جی اچھا۔" فرزانہ نے کہا اور باورچی خانے کی طرف دوڑ گئی۔ محمود اور فاروق پھر صحن میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ انسپکٹر جمشید ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔

چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مہمان رخصت ہو گئے تو انسپکٹر جمشید ان کی طرف بڑھے۔ ان کے ہاتھ میں دعوت نامہ تھا۔

"وزیر دفاع کے ہاں ایک تقریب ہو رہی ہے۔ دعوت نامہ اسی تقریب کے سلسلے میں ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"کیا انہیں کوئی خطرہ درپیش ہے؟" فرزانہ نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"تم غلط سمجھیں، انہوں نے کسی خطرے کے پیش نظر دعوت نہیں دی ہے۔" وہ دھیمے انداز میں مسکرائے۔

"لیکن آپ کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے ہیں۔" محمود ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں، الجھن کی ایک وجہ ہے۔ لو تم اس دعوت نامے کو پڑھ لو۔ میری الجھن کی وجہ تمہاری سمجھ میں آ جائے گی۔" یہ کہہ کر انہوں نے دعوت نامہ ان کے سامنے نکال دیا۔

لفافے میں سے کارڈ نکال کر انہوں نے پڑھا۔ اس میں تقریب کا وقت لکھا ہوا تھا۔ اور ان چاروں کے نام تھے۔ تقریب کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی تھی۔ تینوں سوچ میں پڑ گئے۔

"ابا جان، اس دعوت نامے میں تو کوئی الجھن کی بات نہیں ہے۔" فاروق نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔" انسپکٹر جمشید نے محمود اور فاروق کی

طرف مسکرا کر دیکھا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" محمود نے کہا۔ انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کی طرف دیکھا تو وہ الجھن میں نظر آئی، آخر بولی:

"ابا جان کوئی الجھن کی بات نظر نہیں آتی۔"

"ہوں اچھا، اب یہ دعوت نامہ اپنی امی کو دو۔ بیگم تم اسے غور سے دیکھو اور پڑھو، پھر بتاؤ کہ اس دعوت نامے میں کوئی الجھن محسوس ہوتی ہے یا نہیں۔"

"ہمارا گھر بھی عجیب گھر ہے۔ اب دعوت ناموں میں بھی الجھنیں پیدا ہونے لگیں۔" بیگم جمشید نے مسکرا کر کہا اور دعوت نامے پر نظریں جما دیں۔ چند لمحے تک دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے کہا:

"یہ دعوت نامہ ہے؟" انہوں نے یہ الفاظ منہ بنا کر کہے۔

"جی امی جان۔ کیا مطلب؟" فرزانہ نے انہیں حیران ہو کر دیکھا۔

اگر یہ کسی تقریب کے سلسلے میں بلاوا ہے تو اس میں میرا نام کیوں شامل نہیں، اور اگر کسی سرکاری حیثیت سے دعوت نامہ بھیجا گیا ہے تو محمود، فاروق اور فرزانہ کا نام کیوں شامل کیا گیا ہے۔"

"ویری گڈ بیگم۔ تب تو تم ان تینوں سے بھی سوال مات کھا گئیں۔"

"نہیں تو۔" بیگم جمشید نے بوکھلا کر کہا اور وہ ہنسنے لگے۔ پھر محمود نے کہا۔

"واقعی اس پہلو پر ہماری نظر نہیں گئی — آخر امی جان کو کیوں دعوت نہیں دی گئی۔"

"اسی لیے میں الجھن میں ہوں — یا تو اس پر صرف میرا نام ہونا چاہیے تھا یا سب کا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے ناموں کا اندراج مجھے کھٹک رہا ہے۔"

"کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہیں؟" فرزانہ نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میں یہ سمجھا ہوں کہ یہ تقریب ایک بہانہ ہے۔ اس تقریب کی آڑ میں کوئی کیس ہمارے سپرد کیا جانے والا ہے — اسی لیے بیگم کو دعوت میں شامل نہیں کیا گیا۔"

"اوہ۔" محمود اور فرزانہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا — فاروق بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

"تو میرا خیال درست تھا — میری چھٹی حس بالکل ٹھیک خبر دے رہی تھی۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"گھنٹی کی آواز سن کر ہی میں نے کہہ دیا تھا کہ ایک کیس ملنے والا ہے، لیکن یہ دونوں میرا مذاق اڑاتے رہے۔"

"ہوں — خیر، دیکھا جائے گا — ہمیں شام کو ٹھیک چھ بجے وہاں پہنچنا ہے — تم تیار رہنا۔" انھوں نے کہا۔

اور وہ تیاری کرنے لگے — ساڑھے پانچ کے قریب وہ گھر سے نکل رہے تھے — اور ٹھیک چھ بجے وزیر دفاع کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے — ان کا استقبال نامر جامی نے کیا — یہ وزیر دفاع کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے — وزیر دفاع کا نام سعید گیلانی تھا — انھوں نے نہایت گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا، پھر بولے:

"تشریف رکھیے — چند مہمان آنے ہی والے ہیں، پھر تقریب شروع ہوگی۔"

"کیا آپ اس سے پہلے ہی تقریب کا اصل مقصد نہیں بتائیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے اور سعید گیلانی چونک کر انہیں دیکھنے لگے، پھر حیرت زدہ لہجے میں بولے:

"تو آپ نے یہ بات محسوس کرلی کہ یہ تقریب ایک بہانہ ہے؟"

"جی ہاں۔"

"مجھے حیرت ہے — مہربانی فرما کر میری حیرت دور کر دیجیے، آخر آپ نے یہ کیسے جان لیا؟"

"اس طرح کہ دعوت نامے پر میرے ساتھ ان تینوں کا نام تھا، لیکن بیگم کا نام نہیں تھا — یا تو سب کا نام ہونا چاہیے تھا۔ یا پھر صرف میرا۔"

"ویری گڈ، آپ لوگ واقعی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔"

اسی وقت کچھ مہمان آتے نظر آئے — وہ چونک کر کھڑے ہو گئے — آنے والوں میں صدرِ مملکت اور ان کے ساتھ ایک اور صاحب تھے — یہ غیر ملکی نظر آ رہے تھے —

(۲)

انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ صدرِ مملکت کو دیکھ کر حیران رہ گئے — انہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ صدر صاحب بھی اس تقریب میں آنے والے ہیں — نزدیک آنے پر علیک سلیک ہوئی — صدر صاحب نے ان چاروں سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور بولے:

"آپ لوگ ٹھیک تو ہیں — اوہو، فاروق کے چہرے پر تو ابھی تک ورم ہے۔"

"جی ہاں، شیطان پارٹی کی مہربانی ہے۔" فاروق بول پڑا۔ اور وہ مسکرا دیے۔

پھر سب لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے —

"گیلانی صاحب، تقریب کا آغاز کریں۔"

"جی بہتر۔" یہ کہہ کر گیلانی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ تقریب کا اہتمام باغ میں کیا گیا تھا — مہمانوں کی تعداد پندرہ کے قریب

تھی —

"سب سے پہلے تو میں اس تقریب کے مہمانِ خصوصی کا تعارف کراؤں گا — ہمارے درمیان اس وقت محترم عالی شا موجود ہیں — ہمارے دوست ملک کے وزیرِ خارجہ، ہمارے بہترین دوست — جب بھی ہمارے ملک پر کوئی نازک وقت آیا، انہوں نے بھرپور انداز میں ہمارا ساتھ دیا — آج میں نے اپنے گھر میں دعوت انہی کے اعزاز میں دی ہے۔"

یہ کہہ کر سعید گیلانی صاحب خاموش ہو گئے۔ عالی شا نے اٹھ کر اپنے سر کو تھوڑا سا خم کیا اور پھر بیٹھ گئے — حاضرین نے تالیاں بجائیں — گیلانی صاحب پھر کہنے لگے:

"عالی شا، محترم ہمارے ملک میں تین روزہ سرکاری دورے پر آئے ہوئے تھے — آج تیسرا دن ہے — آج رات یہ یہیں سے رخصت ہو جائیں گے، گویا یہ تقریب ایک الوداعی تقریب ہے۔"

ایک بار پھر تالیاں بجیں — اس کے بعد صدر صاحب نے بھی اٹھ کر عالی شا کا شکریہ ادا کیا، پھر کھانا شروع ہوا۔ فاروق اور فرزانہ شدید بے چینی کے عالم میں تھے — جیسے تیسے انہوں نے کھانا کھایا — کھانے سے فارغ ہو کر گیلانی صاحب نے ذرا بلند آواز میں کہا:

"محترم عالی شا — آپ میری لائبریری دیکھنے کی خواہش

رکھتے ہیں۔ آئیے، میں آپ کو اپنی لائبریری دکھاؤں۔ انسپکٹر جمشید صاحب، آپ کو بھی تو نایاب کتابوں کا بہت شوق ہے۔ آپ بھی آئیے نا۔"

"جی ہاں ضرور۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بے چین ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ سعید گیلانی نے فوراً کہا:

"معلوم ہوتا ہے، آپ کے بچے بھی لائبریری دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ آپ بھی آئیے۔"

اور محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں تو چونکہ لائبریری پہلے ہی دیکھ چکا ہوں، اس لیے یہیں بیٹھوں گا۔" صدر صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"جی بہتر۔"

باقی سب لوگوں کو صدر صاحب کے ساتھ ہی ٹھہرنا پڑا۔ صرف چھ آدمی وہاں سے چل کر رہائش گاہ کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے اور پھر لائبریری کی طرف بڑھے۔

"لائبریری میں کوئی بات شروع کرنے سے پہلے ہمیں اندر کا جائزہ لے لینے دیجیے گا۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے:

"اوہ۔" سعید گیلانی کے منہ سے نکلا۔

لائبریری میں داخل ہو کر انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

یہ ایک کافی بڑا کمرہ تھا اور اس میں بے شمار کتابیں تھیں۔ انسپکٹر جمشید نے تینوں کو اشارہ کیا۔ اور پھر چاروں لائبریری کی تلاشی لینے میں جٹ گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے سعید گیلانی کو اشارہ کیا کہ وہ مہمان کو لائبریری دکھاتے ہوئے کتابوں کے بارے میں بتانا شروع کر دیں۔

آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد انسپکٹر جمشید نے ایک جگہ ٹیلی فون تلاش کر لیا۔ اسے دیکھ کر سعید گیلانی اور عالی شا خوفزدہ ہو گئے۔ پھر وہ اسے جوں کا توں چھوڑ کر لائبریری سے باہر نکل آئے۔ اور گھر کے صحن کے بیچوں بیچ آ کھڑے ہوئے۔

"حیرت ہے، اگر آپ کو یہ خیال نہ آتا تو ہماری ساری گفت گو سنی جا سکتی تھی۔"

"جی ہاں، چونکہ آپ نے ہمیں بہت خفیہ انداز میں بلایا تھا، اس لیے میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ ہے اور مخالف لوگ ضرور ٹوہ میں ہوں گے۔ انہوں نے اس قسم کا کوئی انتظام ضرور کر رکھا ہوگا کہ اس تقریب کا اصل مقصد جان سکیں۔"

"تب تو ہم بال بال بچے۔" سعید گیلانی بولے۔

"ہمارے ساتھ یہی تو ہوتا ہے جناب، بس بال بال بچ جاتے ہیں۔" فاروق بول پڑا۔

عالی شا اور سعید گیلانی مسکرا دیے۔

"اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ کیا خیال ہے۔ اس جگہ سے تو ہماری گفت گو نہیں سنی جا سکے گی۔"

"بالکل نہیں" وہ بولے۔

"لیکن بھئی، گفت گو سننے والے اس وقت کہاں ہوں گے؟"

"آس پاس کے کسی مکان میں۔ آپ ان کی فکر نہ کریں۔ انہیں گرفتار کرنے کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ خبردار ہو جائیں گے۔"

"ہوں، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ خیر، معاملہ بہت خطرناک ہے۔ آپ کے ذمے جو کام لگایا جا رہا ہے، حد درجے خطرناک ہے۔ اس میں کامیابی کے امکانات بہت ہی کم ہیں، اس لیے اگر آپ انکار کرنا چاہیں تو بھی کر سکتے ہیں، کیونکہ آپ ایسے کاموں کے لیے ملازم نہیں رکھے گئے۔ ہم نے یہ کام پہلے اپنے اس قسم کا کام کرنے والے چار ایجنٹوں کے ذریعے لیا تھا، لیکن وہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

صحن میں کرسیاں بچھی تھیں۔ وہ ان پر بیٹھ چکے تھے۔

سعید گیلانی صاحب کے الفاظ حد درجے سنسنی خیز تھے، ان کے کان کھڑے ہو گئے، آنکھیں ان پر جم گئیں۔

نیلی کار

چند لمحے تک موت کی خاموشی طاری رہی۔ آخر انسپکٹر جمشید نے لب کھولے:

"آپ فکر نہ کریں۔ میں یہ نہیں سوچوں گا کہ اس قسم کے کام کے لیے ملازم رکھا گیا ہوں یا نہیں اور یہ کہ اس کام میں ہماری زندگیوں کو کس حد تک خطرہ لاحق ہے۔ اصل بات بتائیے۔"

"شکریہ، بات دراصل یہ ہے کہ عالی شا صاحب کا ملک ہمارا سب سے اچھا دوست ملک ہے۔ ان کے ملک کے ساتھ دشمن ملک کی سرحد ہے۔ یہ ملک صرف ان کا ہی نہیں، ہمارا بھی دشمن ہے اور اس کے پیچھے بھی بڑی طاقتیں ہیں۔ لہٰذا ہم اس کے خلاف جنگ چھیڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، نہ ہی عالی شا صاحب کا ملک یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہے۔ لیکن اس وقت ایک نئی الجھن آ پڑی ہے۔

دشمن ملک عالی شا صاحب کے ملک سے اپنا ایک علاقہ خالی کرانا چاہتا ہے — یہ علاقہ ابھی چھ ماہ پہلے ایک جھڑپ میں حاصل کیا گیا تھا، لیکن اس جھڑپ میں ان کے ملک کے تقریباً دو ہزار سپاہی دشمن کی قید میں چلے گئے تھے — اب دشمن ملک یہ چاہتا ہے کہ اس کا علاقہ خالی کر دیا جائے اور اپنے دو ہزار سپاہی واپس لے لیے جائیں — اس علاقے کی بہت زبردست جغرافیائی اہمیت ہے — اس کے قبضے میں آ جانے سے ہمارا دوست ملک بہت محفوظ ہو گیا ہے، لہذا وہ اس علاقے کو کسی قیمت پر واپس دینا نہیں چاہتا، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے دو ہزار سپاہی کسی طرح واپس مل جائیں، کیونکہ ان سپاہیوں کے گھر والے حکومت کو پریشان کر رہے ہیں — بس یہ ہے وہ الجھن ۔" یہاں تک کہہ کر سید گیلانی خاموش ہو گئے —

"یہاں تک تو بات سمجھ میں آ گئی — اب یہ بتائیے کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ آپ کسی طرح ان دو ہزار سپاہیوں کو چھڑا لائیں ۔" سید گیلانی نے انسپکٹر جمشید سے نظریں چراتے ہوئے کہا —

انسپکٹر جمشید نے انہیں چونک کر دیکھا — چند لمحے کے لیے پھر خاموشی چھا گئی — پھر انہوں نے پوچھا:

"آپ کا مطلب ہے، صرف ہم چار جا کر ان دو ہزار

قیدیوں کو چھڑا لائیں ۔"

"ہاں، ہم یہی چاہتے ہیں — ہم جانتے ہیں، یہ کام انتہائی مشکل ہے — اور میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اس میں کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں، اس کے باوجود آپ کو کسی امید پر ہی بلایا گیا ہے ۔"

"ہوں، یہ بتائیے، دو ہزار قیدی رکھے کہاں گئے ہیں؟"

"ایک کیمپ میں — خفیہ کیمپ میں ۔" اس بار عالی شا نے کہا —

"خفیہ کیمپ میں، کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی —

"ہاں، ان لوگوں نے چالاکی یہ کی ہے کہ ان دو ہزار قیدیوں کو اپنے ملک میں کہیں بھی نہیں رکھا، بلکہ ملک سے باہر کسی خفیہ مقام پر رکھا گیا ہے — یہ خفیہ مقام ایک کیمپ کی صورت میں ہے، یہ کہاں ہے، کسی کو نہیں معلوم — ہم نے پتا چلانے کی بہت کوشش کی، لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی ۔" عالی شا کہتے چلے گئے —

"آپ نے جو چار ایجنٹ بھیجے تھے، ان کی طرف سے کوئی رپورٹ بھی موصول نہیں ہوئی؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا —

"نہیں، ان کا کوئی پتا نہیں چل سکا ۔"

"آپ نے انہیں بھیجا کہاں تھا؟" انسپکٹر جمشید بولے —

"ظاہر ہے کہ ہم خفیہ کیمپ کا سراغ ان کے ملک سے ہی لگا سکتے ہیں، انہیں دشمن ملک میں ہی بھیجا گیا تھا۔" عالی شاہ نے کہا۔

"تو اب آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی دشمن ملک میں جائیں اور اس خفیہ کیمپ کا سراغ لگائیں۔"

"بالکل، آپ صرف اس کیمپ کا سراغ لگائیں گے۔ باقی کام ہم خود کر لیں گے۔" عالی شاہ نے کہا۔

"باقی کام آپ کس طرح کریں گے؟"

"گوریلے بھیج کر۔"

"کیا اس طرح جنگ نہیں چھڑ جائے گی؟"

"یہ کارروائی ایک بالکل الگ جگہ پر ہوگی، اور پھر اس کارروائی میں ہم اپنے گوریلے نہیں بھیجیں گے۔" انہوں نے کہا۔

"اور ہم چاہیں تو اس کام سے انکار بھی کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے سوچ میں گم ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں! کیونکہ یہ کام آپ کا نہیں اور ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ محکمہ سراغرسانی کے کسی آدمی کو کسی ایسے پُرخطر کام پر مامور کیا جائے۔"

"اور اس کے باوجود آپ نے ہمیں بلایا ہے۔" انسپکٹر جمشید عجیب سے انداز میں بولے۔

"ہاں۔" سعید گیلانی کھوئے کھوئے لہجے میں بولے۔

"کیا صدر صاحب کو بھی معلوم ہے کہ ہم اندر یہ باتیں کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"ظاہر ہے، ان کے علم میں لائے بغیر یہ کام کسی کو کیسے سونپا جا سکتا ہے۔"

"اور کیا انہیں بھی یہی امید ہے کہ میں یہ کام کرنا منظور کر لوں گا۔"

"ہاں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم اس مہم پر جانے کے لیے تیار ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم دشمن ملک میں داخل کس طرح ہوں گے؟"

"اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔ آپ لوگ میک اپ کے بعد اپنی تصاویر لے لیں۔ ان تصویروں والے پاسپورٹ بنوا دیے جائیں گے۔ یہاں سے آپ لوگ ایک ایسے ملک میں بھیجے جائیں گے جو بالکل غیر جانبدار ہے۔ یعنی اس کے تعلقات ہم سے بھی دوستانہ ہیں اور ہمارے دشمن ملک سے بھی۔ اس ملک میں آپ کو نئے پاسپورٹ مل جائیں گے۔ ان کی موجودگی میں آپ آزادانہ دشمن ملک میں داخل ہو سکیں گے۔"

"اور وہاں ہمیں پاسپورٹ کس طرح ملیں گے؟"

"یہ سب ہو جائے گا۔ آپ کا پہلا کام تو صرف یہ ہے کہ میک اپ کے بعد تصاویر لے کر مجھے دے دیں۔" سعید گیلانی نے کہا۔

"اچھی بات ہے، تصاویر کل آپ کو مل جائیں گی۔"

"اچھا تو پھر خدا حافظ، کیونکہ مجھے تو یہیں سے رخصت ہونا ہے۔ خیال رہے، اس کام کی کسی کو ہوا بھی نہ لگے۔ دشمن ملک کے جاسوس چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔" عالی شا نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"آپ فکر نہ کریں، ہم بھی ہر طرح ہوشیار رہیں گے۔"

وہ صحن سے نکل کر باغ میں آ گئے۔ یہاں ایک بار پھر سب کو شربت وغیرہ پیش کیا گیا۔ آخر سعید گیلانی صاحب نے اعلان کیا کہ مہمان اب جانے کے لیے تیار ہیں، چنانچہ سب نے ان سے ہاتھ ملائے اور وہ وزیر دفاع کے ساتھ کار میں بیٹھ کر حفاظتی دستے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہ لوگ بھی کار میں بیٹھ کر ان کے پیچھے چل پڑے۔ صدر صاحب نے البتہ یہیں سے عالی شا سے اجازت لے لی تھی۔ ان کی طبیعت قدرے ناساز تھی، تاہم باہر نکلتے وقت انہوں نے انسپکٹر جمشید کا بازو دباتے ہوئے کہا تھا:

"مجھے امید ہے، تم نے انکار نہیں کیا ہو گا۔"

"انکار کر بھی کیسے سکتا ہوں جناب عالی، اس ملک کے لیے

تو سب کچھ حاضر ہے۔" انہوں نے دبی دبی آواز میں کہا۔

"تمہاری خدمات اس ملک کے لوگ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" صدر صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکریہ جناب۔" وہ بولے اور پھر صدر صاحب اپنی کار کی طرف بڑھ گئے۔

مہمان کو رخصت کر کے وہ گھر کی طرف واپس چلے۔

"ابا جان، کیا آپ یہ سراغ لگانے کی کوشش نہیں کریں گے کہ لائبریری میں ہونے والی گفتگو آس پاس کے کس گھر میں سننے کی کوشش کی گئی تھی۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"اس وقت نہیں، ہمارے دشمن ملک نے عالی شا کے آتے ہی اپنے جاسوس ان کے پیچھے لگا دیے ہوں گے اور انہوں نے ہر خاص جگہ ہونے والی گفتگو سننے کے انتظامات کر رکھے ہوں گے۔ یا کم از کم جب انہیں اس تقریب کے بارے میں معلوم ہوا ہو گا تو انہوں نے اس جگہ آلات نصب کر دیے ہوں گے۔ اس کام کے لیے انہوں نے ضرور گھر کے کسی ملازم کو زبردست قسم کا لالچ دیا ہو گا، جس نے آلہ کا فون لگایا ہو گا، لیکن اب جب کہ وہ کوئی گفتگو نہیں سن سکے ہوں گے تو وہ اپنی ناکامی کی رپورٹ ہی آگے بھیج سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں، پہلے وہ ناکامی کی رپورٹ آگے بھیج دیں اور پھر ان پر ہاتھ ڈالوں، یا ہو سکتا ہے،

ہاتھ نہ ہی ڈالوں اور انہیں آزاد ہی رہنے دوں اور ان کی نگرانی شروع کرا دوں ؛ فی الحال تو ہم اس ملازم کو بھی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں ؛ ورنہ ہماری آئندہ مہم میں خطرات اور بھی زیادہ ہو جائیں گے۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"تب پھر اس سلسلے میں چھان بین کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"اس کی ضرورت ہے۔ ان کی نگرانی کرانے کے بعد ہی ہمیں یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ ہماری اس تقریب میں شرکت کو کس نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ دراصل سعید گیلانی سے غلطی یہ ہوئی کہ ہمیں باقاعدہ دعوت نامہ بھیج دیا۔ اگر وہ خفیہ طریقے سے شرکت کی دعوت دیتے تو ہم اپنے گھر سے کسی اور مقام کے لیے روانہ ہو جاتے۔ اس طرح نگرانی کرنے والوں کو کوئی شک نہ ہوتا اور اس مقام سے ہم میک اپ میں واپس لوٹتے اور تقریب میں شریک ہو جاتے۔ خیر کوئی بات نہیں، دیکھا جائے گا۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا، ایک عدد کیس ہمیں ملنے والا ہے۔"

"پیچھے کا خیال رکھنا، کوئی کار ہمارے تعاقب میں تو نہیں۔"

"ایک نیلی کار بہت دیر سے ہمارے پیچھے ہے، لیکن میں

یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ تعاقب کر رہی ہے یا نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"اچھا تو میں رفتار کم کر رہا ہوں۔ اگر اس کار کی رفتار بھی کم ہوتی محسوس کرو تو پھر وہ ضرور ہمارے تعاقب میں ہو گی۔" انہوں نے کہا اور رفتار کم کر دی۔ چند لمحے تک تینوں درمیانی فاصلے کا جائزہ لیتے رہے۔ وہ پہلے تو کم ہوتا چلا گیا، پھر نیلی کار کی رفتار کم ہونے کے باعث اتنا ہی ہو گیا، جتنا پہلے تھا۔

"اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ نیلی کار ہمارے تعاقب میں ہے۔" فرزانہ نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ویری گڈ۔ سنو، میں اپنی کار ایک سڑک پر موڑنے والا ہوں۔ اس سڑک پر آگے چل کر ایک ٹیکسی سٹینڈ آتا ہے۔ میں عین اس ٹیکسی سٹینڈ کے پاس کار چند سیکنڈ کے لیے روکوں گا۔ محمود تم نظر بچا کر نیچے اترنے کی کوشش کرو گے، اس کے بعد میں آگے چل دوں گا۔ نیلی کار پھر ہمارے تعاقب میں روانہ ہو جائے گی۔ تم ایک ٹیکسی پکڑ کر نیلی کار کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤ گے۔ جب میں یہ بات محسوس کر لوں گا کہ تم تعاقب شروع کر چکے ہو اور مناسب فاصلے پر آ گئے ہو تو میں ٹیکسی گھر کی طرف موڑ دوں گا۔ اس کے بعد تم یہ معلوم کرو گے کہ نیلی کار کہاں جاتی ہے۔ اس میں بیٹھا ہوا آدمی کس مکان میں داخل ہوتا ہے۔ بس اس سے زیادہ تمہیں کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے گھر چلے آنا۔"

"جی بہتر۔" محمود بولا۔

ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے کار ایک ذیلی سڑک پر موڑ دی اور اس طرف سے نکل کر ایک دوسری سڑک پر آ گئے۔ انھوں نے رفتار کم کرتے ہوئے کہا:

"محمود، ہوشیار ہو جاؤ۔"

"جی بہتر۔"

"اچھا بھائی محمود، خدا حافظ۔ نہ جانے اب تم سے کب ملاقات ہو۔" فاروق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ساتھ ہی مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"بھئی، میں صرف نیلی کار کے تعاقب میں جا رہا ہوں، کسی دلدل کے تعاقب میں نہیں۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔ اس نے ہاتھ ملانے کی بھی کوشش نہیں کی۔

"میں تمہاری عادت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مجھے ڈر ہے، تم دور نہ نکل جاؤ۔" فاروق مسکرایا۔

"فکر نہ کرو، تمہارا ڈر بے بنیاد ثابت ہوگا۔" محمود بولا۔

"چلو اترو۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔ اسی وقت انھوں نے کار روک لی تھی اور ایسی جگہ روکی تھی کہ پیچھے سے آنے والی کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ محمود نے دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگا دی۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً کار آگے بڑھا دی۔

"ابا جان، تعاقب کرنے والے کو یہ محسوس ہو جائے گا کہ آپ نے ہم میں سے ایک کو اتارا ہے۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"اوہ ہاں، تمہارا خیال ٹھیک ہے، لیکن اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فرزانہ کے سر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"کیا کہتے ہو، کوئی کام کی بات نہیں سوچ سکتے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

"تو پھر فرزانہ سے کہیے، میرے کندھے سے سر لگا دے اور سوتی بن جائے۔" فاروق نے نئی کہی۔

"اس سے کیا ہوگا؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"ہوگا یہ کہ تعاقب میں آنے والا خیال کرے گا، پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے بچوں کو نیند نے آ گھیرا ہے۔ ان میں سے ایک تو شاید سیٹ پر لیٹ گیا ہے اور دوسرے نے تیسرے کے کندھے سے سر لگا دیا ہے۔"

"میرا خیال ہے، اس ترکیب پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کوئی فائدہ نہیں ہوگا تو نقصان بھی نہیں ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔ فرزانہ نے برا سا منہ بنایا اور فاروق کے کندھے سے سر لگا دیا۔

"خدا کا شکر ہے، میری بھی کوئی ترکیب قابلِ عمل معلوم ہوئی، ورنہ اس چیز کا ٹھیکہ تو بس فرزانہ نے ہی لے لیا ہے۔"

"اچھا بس، خاموش رہو، شیخی میں نہ آؤ۔"

"کار میں بیٹھا ہوں، شیخی میں کس طرح آ سکتا ہوں۔" فاروق بولا۔

"میرا خیال ہے — محمود کی ٹیکسی نے تعاقب شروع کر دیا ہے — نیلی کار کے پیچھے ایک ٹیکسی یکساں فاصلے پر آ رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ — فاروق نے بھی نظر ڈالی اور پھر سر ہلاتے ہوئے بولا:

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"تو پھر اب ہم گھر کا رخ کرتے ہیں۔"

"لیکن ابا جان، تعاقب کرنے والے کے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھرے گا کہ آپ اس سڑک پر کیوں آئے تھے؟" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"اوہ ہاں، ہمیں یہاں سے کوئی چیز خرید لینی چاہیے، میں کسی دکان کے سامنے کار روکوں گا — تم اندر رہنا، پھر میں دکان سے ایک پیکٹ اٹھائے باہر نکلوں گا۔"

"یہی میں کہنا چاہتی تھی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا ہے کہ ترکیبیں بتانے کا ٹھیکہ لے

رکھا ہے تم نے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"تو اس میں انگارے چبانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"انگارے چباتا ہے میرا جوتا۔"

"دیکھیے ابا جان، یہ میری جوتی پر اعتراض کیا جا رہا ہے۔" فرزانہ نے شریر انداز میں کہا۔

"بڑی بات ہے فاروق، کم از کم تمہیں فرزانہ کی جوتی کو تو معاف ہی کر دینا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بھی مسکرائے۔

"بہت بہتر — اے فرزانہ کی جوتی، میں نے تمہیں معاف کیا۔"

"اگر اس وقت محمود کار میں ہوتا تو ضرور دھت تیرے کی کہتا۔" فرزانہ بولی۔

"چلو اس کی کمی تم پوری کر دو۔"

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے بریک لگائے، پھر وہ کار سے اترے اور ایک دکان کی طرف بڑھے۔

"بھئی فرزانہ، تم نے جب سے اپنا سر میرے کندھے سے لگایا ہے، مجھے بھی نیند کے جھونکے آنے لگے ہیں۔" فاروق بولا۔

"تو تم ذرا دیر کے لیے نیند لے لو، کسی نے روکا ہے۔"

"اچھا، شکریہ — ابا جان آئیں تو بتا دینا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے نیند کی آغوش میں چلا گیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، اگر ان کے آنے تک میں جاگتی رہی تو ضرور

بتا دوں گی۔" فرزانہ نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"ہائیں تو کیا تمہیں بھی نیند آ رہی ہے۔"

"ہاں، نہ جانے کیا بات ہے۔ کہیں تقریب والے کھانے میں کوئی نیند لانے والی چیز تو شامل نہیں تھی؟" فرزانہ بولی۔

"اوہ، ایسا ہو تو سکتا ہے، اگر سعید گیلانی صاحب کی لائبریری میں ڈکٹا فون پہنچ سکتا ہے تو پھر کھانوں میں ایسی کوئی چیز کیوں شامل نہیں ہو سکتی۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ خیر کوئی بات نہیں ابا جان خود ہی نبٹ لیں گے۔" یہ کہہ کر فاروق نے آنکھیں بند کر لیں۔ فرزانہ اس سے پہلے ہی آنکھیں بند کر چکی تھی۔

چند منٹ بعد کار چل پڑی۔ وہ غنودگی کے عالم میں ہی تھے۔ تھوڑی دیر بعد فرزانہ کو کچھ خیال آیا۔ اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور پھر بری طرح چونکی۔

نئی صورت

محمود کی ٹیکسی نیلی کار کا تعاقب کر رہی تھی۔ اچانک اس نے نیلی کار کو رکتے دیکھا۔ اس نے اگلی کار کو دیکھا تو وہ بھی ایک دکان کے سامنے رک گئی تھی۔

"ڈرائیور صاحب، آپ بھی ذرا ٹیکسی روک لیں۔"

"یہ کیا چکر ہے جناب۔"

"چکر بہت گہرا ہے، آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے بے فکری کے انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور ٹیکسی روک دی۔ اسی وقت محمود نے اپنے والد کو کار سے نکل کر ایک دکان میں جاتے دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ اس کے والد درمیان میں کیا کرنے لگ گئے۔ ابھی اس کے والد کو دکان میں گئے چند سیکنڈ بھی نہیں ہوئے تھے کہ نیلی کار کی پچھلی سیٹ سے دو آدمی اترے اور ان کی کار کی طرف بڑھے۔ دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ وہ دونوں

ان کی کار کی سیٹوں پر بیٹھ رہے تھے ۔۔۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کار چل پڑی ۔۔۔ ساتھ ہی نیلی کار حرکت میں آئی اور ان کی کار کے پیچھے روانہ ہو گئی ۔

اس کی سٹی گم ہو گئی ۔۔۔ وہ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھا ۔۔۔ اس کے سامنے دو راستے تھے ۔۔۔ یا تو فوراً دوڑ کر دکان میں گھس جاتا اور اپنے والد کو نئی صورتِ حال کی اطلاع دیتا یا پھر خود ان کے تعاقب میں روانہ ہو جاتا ۔۔۔ پہلی صورت میں خطرہ تھا کہ اس دوران میں دونوں کاریں غائب نہ ہو جائیں ، لہٰذا اس نے خود ہی ان کے تعاقب میں روانہ ہونا مناسب خیال کیا ۔

"ڈرائیور صاحب ، جلدی کریں ، نیلی کار چل پڑی ہے ۔ فوری طور پر اس کا تعاقب شروع کر دیں ۔" اس نے گھبرا کر کہا ۔

"اچھی بات ہے ۔" ڈرائیور نے کہا اور ٹیکسی چلا دی ۔

محمود کو حیرت تھی کہ کار میں بیٹھے فاروق اور فرزانہ کو کیا ہو گیا ہے ۔۔۔ انھوں نے ان دونوں کی یہ حرکت خاموشی سے کس طرح برداشت کر لی ۔۔۔ تعاقب جاری رہا ۔۔۔ ان کی کار اور نیلی کار جلد جلد موڑ پر موڑ مڑ رہی تھی ۔۔۔ محمود کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا ۔۔۔ الجھن بڑھ گئی ۔ تقریباً بیس منٹ بعد ان کی کار شہر سے باہر جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی اور نیلی کار اس کے پیچھے تھی ۔۔۔ ڈرائیور بری طرح جھلایا ہوا تھا ۔ آخر کہہ ہی اٹھا :

"آخر یہ تعاقب کب ختم ہو گا ؟"

"اب تو شاید ختم ہونے ہی والا ہے ، کیونکہ ہم شہر سے باہر نکل رہے ہیں ۔۔۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا ۔

"کہیں آپ کے ساتھ میں بھی کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں ۔" وہ بڑبڑایا ۔

"فکر نہ کرو ، جوں ہی شہر سے باہر کسی جگہ یہ دونوں کاریں رکیں ، میں آپ کو چھٹی دے دوں گا ۔" محمود بے دلی سے مسکرایا ، کیونکہ اس کا مسکرانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا ۔

آخر شہر سے باہر ایک تنگ سی پگڈنڈی پر ان کی کار مڑ گئی ۔۔۔ اس کے بعد نیلی کار بھی مڑ گئی ۔۔۔ دونوں کاریں ڈگمگا کر چل رہی تھیں ۔ رفتار بہت کم تھی ۔۔۔

"اب ، میں اپنی ٹیکسی اس کچے راستے پر تو نہیں ڈالوں گا ۔" ڈرائیور نے جھنجلا کر کہا ۔

"اچھا بھائی ، مجھے یہیں اتار دو ۔ یہاں سے میں ان کا پیدل ہی تعاقب شروع کرتا ہوں ۔۔۔ یہ لو اپنے بل کی رقم ۔" اس نے بل سے کچھ زائد رقم دیتے ہوئے کہا ، کیونکہ وہ ٹیکسی شہر سے باہر لے آیا تھا اور یہاں سے اسے کوئی سواری ملنے کی قطعاً امید نہیں تھی ۔

"شکریہ ۔" اس نے منہ بنا کر کہا اور گاڑی واپس موڑنے لگا

محمود نے پگ ڈنڈی کا راستہ لیا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ کاروں کے چلنے کی وجہ سے پگ ڈنڈی گرد میں چھپ گئی تھی اور نیلی کار بہت دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی۔۔ ادھر سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرا چھانے لگا تھا۔۔ اس چیز نے اسے اور بھی پریشان کر دیا تھا۔

پانچ منٹ تک پیدل چلنے کے بعد اسے دونوں کاریں ایک جگہ رکیں نظر آئیں۔۔ یہاں ایک بہت پرانا مکان تھا۔ مکان بہت بڑا تھا، شاید کسی جاگیردار کا بنوایا ہوا تھا۔ اب دونوں کاروں میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔۔ فاروق اور فرزانہ بھی نہیں تھے۔۔ اس نے دیکھا، مکان کا دروازہ بند تھا۔ وہ آگے بڑھا اور دروازے پر دباؤ ڈالا، لیکن اسے اندر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اب اس نے مکان کے گرد ایک چکر لگایا، لیکن اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا۔۔ دیواریں بہت اونچی تھیں۔ کھڑکیاں بھی بہت اونچائی پر تھیں اور ان میں سلاخیں لگی تھیں۔۔ محمود سوچ میں ڈوب گیا کہ کیا کرے۔۔ آخر ایک بار پھر وہ صدر دروازے کی طرف چل پڑا۔

انسپکٹر جمشید دکان سے باہر نکلے تو ان کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پیکٹ تھا، لیکن باہر کار کو غائب پا کر وہ چکرا گئے۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا، لیکن کار دور دور تک نظر نہ آئی، نہ ہی اس کے پیچھے والی نیلی کار کہیں نظر آئی اور حد تو یہ کہ محمود والی ٹیکسی بھی آس پاس کہیں موجود نہیں تھی۔ اب تو وہ گھبرا گئے۔۔ بات ان کے پلے نہیں پڑی تھی۔ وہ حیران تھے کہ چند منٹ میں یہ ہو کیا گیا ہے۔۔ انہوں نے پیکٹ دکاندار کے پاس بطور امانت چھوڑا اور ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روک کر اس میں بیٹھتے ہوئے بولے:

"سیدھے چلو۔"

ٹیکسی چل پڑی۔۔ وہ بہت دور نکل آئے، لیکن تینوں کاروں میں سے کسی کا بھی پتا نہ چلا۔۔ آخر واپس مڑے اور ایک دوسری سڑک پر چل پڑے۔۔ ادھر بھی ناکامی ہوئی۔ تیسری مرتبہ شہر سے باہر جانے والی سڑک پر نکل گئے۔۔ شہر سے باہر بھی وہ بہت دور تک ہو آئے، لیکن تینوں کاروں کو تو جیسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا۔۔ آخر مایوس ہو کر انہوں نے کہا:

"واپس شہر چلو بھائی، اب میں اور کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

"کیا معاملہ ہے جناب؟" ڈرائیور نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

انہوں نے جلدی جلدی اسے بتایا کہ کس طرح سڑک سے

ان کی کار غائب ہو گئی اور یہ کہ کار میں ان کے دو بچے بھی تھے۔ بلکہ ایک ٹیکسی میں ان کا تیسرا بچہ اس کار کے تعاقب میں بھی تھا۔" یہ بتاتے ہوئے انہوں نے اپنا تعارف بھی کرا دیا۔

"پھر تو آپ کو ٹیکسیوں کے اڈوں سے معلوم کرنا چاہیے۔ کیا خبر وہ ٹیکسی واپس آ چکی ہو۔"

"اوہ، شاید آج میری عقل ماری گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ ٹیکسی کس اڈے کی ہے۔ مجھے وہیں لے چلو۔" یہ کہہ کر انہوں نے اڈے کا پتا بتایا۔

اڈے پر پہنچ کر انہوں نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ محمود نے ٹیکسی اس وقت پورا ایک گھنٹا پہلے لی تھی۔ وقت کا اندراج رجسٹر میں موجود تھا۔ کلرک نے رجسٹر دیکھتے ہوئے بتایا:

"اس ٹیکسی کا نمبر ۲۳۴۵ ہے۔ ابھی تک وہ واپس نہیں آئی، شاید اسے کوئی اور سواری مل گئی ہوگی۔"

"اس ڈرائیور کا نام کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"تیمور علی۔" کلرک نے جواب دیا۔

انسپکٹر جمشید نے اپنا کارڈ نکال کر اسے دکھایا اور بولے:

"جونہی تیمور علی آئے، اس سے کہیے کہ مجھے اس نمبر پر فون کرلے۔" یہ کہہ کر انہوں نے کارڈ پر لکھے ہوئے فون نمبر

پر نشان لگا دیا۔

"جی بہت بہتر۔ وہ آتے ہی آپ کو فون کرے گا، فکر نہ کریں۔" کلرک نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

اب انسپکٹر جمشید گھر کا رخ کرنے کے سوا کر ہی کیا سکتے تھے! چنانچہ واپس روانہ ہوئے۔ بیگم نے انہیں تنہا دیکھ کر پوچھا:

"تینوں کو کہاں چھوڑ آئے؟"

"میں نہیں جانتا، وہ اس وقت کہاں ہیں۔" وہ بولے۔

"جی، کیا مطلب؟" وہ چونکیں۔

اس پر انہوں نے تفصیل سنا دی، لیکن یہ نہ بتایا کہ وزیر دفاع کے ہاں کیا بات چیت ہوئی ہے۔

"حیرت ہے، آپ کو بتائے بغیر وہ کہاں جا سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے، جب میں دکان میں داخل ہوا، اس وقت نیلی کار چل پڑی ہوگی اور آگے نکل گئی ہوگی۔ فاروق اور فرزانہ نے سوچا ہوگا کہ کیوں نہ اس کا تعاقب کیا جائے، لیکن نہیں، انہیں تعاقب میں روانہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام تو پہلے ہی محمود کر رہا تھا، اگر ایسا ہوا ہوتا تو محمود تعاقب میں نکل جاتا اور فاروق دکان میں آ کر مجھے اطلاع دیتا۔ اس کا مطلب ہے، ضرور کچھ اور ہوا ہے اور نہ محمود کو مجھے خبردار کرنے کی

مہلت ملی اور ان دونوں کو ۔۔۔

"کہیں انہوں نے کوئی مصیبت تو مول نہیں لے لی؟" بیگم جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہیں، مول لینے کی انہیں کیا ضرورت تھی، مفت میں مل گئی ہو گی۔" انسپکٹر جمشید سوچ میں گم بے خیالی کے انداز میں بولے۔

"کیا آپ مذاق کے موڈ میں ہیں؟" بیگم نے انہیں بغور دیکھا۔

"نہیں تو، کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"شاید آپ بہت پریشان ہیں۔ اطمینان سے بیٹھ جائیے۔ اور ٹھنڈے دل سے غور کریں۔" بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، ذرا میرے لیے چائے بنا لاؤ۔"

"چائے، آپ اس وقت چائے پئیں گے؟"

"ہاں، سر میں درد محسوس کر رہا ہوں نا۔" انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ بیگم نے انہیں اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ پریشان ہو گئیں اور پھر چائے بنانے چلی گئیں۔ جب وہ چائے بنا کر باہر آئیں تو انہوں نے دیکھا، انسپکٹر میز پر سر رکھے سو رہے تھے۔

"ارے۔ کیا سو گئے؟" ان کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر جمشید نے کوئی جواب نہ دیا۔ بیگم نے چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر ان کا شانہ پکڑ کر ہلایا، لیکن وہ تو گہری نیند سو رہے تھے۔ اب تو ان کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ ان کے گھر کا کوئی فرد بھی بے وقت سونے کا عادی نہیں تھا۔ ابھی سونے کا وقت نہیں ہوا تھا، پھر بھلا وہ کیوں سو گئے۔ وہ بھی پریشانی کے عالم میں۔ جب کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی تلاش کا مسئلہ سامنے تھا۔ انہوں نے سوچا، ضرور کوئی بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے ڈاکٹر انصاری کے گھر کے نمبر ڈائل کیے، کیونکہ ان کے مطب کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ سلسلہ جلد ہی مل گیا۔

"ہیلو انصاری صاحب، میں بیگم جمشید بول رہی ہوں۔ فوراً تشریف لائیے۔ انسپکٹر صاحب کی طبیعت خراب ہے۔"

"اوہ، میں آ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا اور بیگم جمشید نے ریسیور رکھ دیا۔ اور ایک بار پھر انسپکٹر جمشید کی طرف مڑی ہی تھیں کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے چونک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو، میں نیشنل ٹیکسی سٹینڈ سے ڈرائیور تیمور علی بول رہا ہوں جناب۔ آپ انسپکٹر جمشید ہیں نا؟"

"یس" انھوں نے مردانہ آواز بنا کر کہا۔

"تو پھر سنیے۔ میں اس لڑکے کو لے کر نیلی کار کے تعاقب میں روانہ ہوا تھا۔ لڑکے کی ہدایت یہی تھی۔ نیلی کار آخر کار شہر سے باہر پہنچ گئی اور پھر جنگل میں ایک کچے راستے پر مڑ گئی، اس کے بعد لڑکا ٹیکسی سے اتر گیا۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے جناب؟"

"نہیں، سڑک کا نام بتاؤ اور یہ بھی کہ کچا راستہ شہر سے کتنے میل کے فاصلے پر رہا ہوگا" انھوں نے بدستور آواز کو موٹا اور بھاری بناتے ہوئے کہا۔

"جنوبی سڑک تھی اور کچا راستہ تقریباً دسویں میل پر تھا"

"شکریہ" یہ کہہ کر بیگم جمشید نے ریسیور رکھا۔ پھر کچھ سوچ کر دفتر کے نمبر گھمائے۔ چوکیدار کے ذریعے اکرام کو فون پر بلایا اور بولیں:

"ہیلو اکرام، تمھارے انسپکٹر صاحب اس وقت گھر میں بے ہوش پڑے ہیں اور محمود، فاروق اور فرزانہ شہر کی جنوبی سڑک کے دسویں میل کے قریب ایک کچے راستے پر کہیں موجود ہیں۔ مہربانی فرما کر اس وقت روانہ ہو جاؤ۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ ہوں"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ٹھہرو، میں تمھیں تفصیل سناتی ہوں" یہ کہہ کر انھوں نے وہ سب کچھ اسے بتا دیا جو انھیں معلوم تھا۔

"عجیب معاملہ ہے۔ خیر میں اسی وقت روانہ ہو رہا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ خان رحمان صاحب کو بھی گھر بلا لیں، کیونکہ میں خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں"

"اچھی بات ہے۔ یہ مناسب رہے گا" سلسلہ کاٹ کر انھوں نے خان رحمان کے نمبر ڈائل کیے، جلد ہی ان کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے جلدی جلدی انھیں بھی حالات سے آگاہ کیا۔ جواب میں انھوں نے کہا کہ وہ آ رہے ہیں۔

وہ اکیلی انسپکٹر جمشید کو اٹھا کر بستر تک لے جانے کے قابل نہیں تھی، اس لیے انھیں جوں کا توں رہنے دیا، البتہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ انھیں شانے سے پکڑ کر ہلاتی رہیں اور آوازیں دیتی رہیں۔ یہاں تک کہ دروازے کی گھنٹی بجی اور وہ یہ سوچ کر کہ ڈاکٹر انصاری آئے ہیں، دروازہ کھولنے کے لیے چل پڑیں۔ دروازہ کھولتے ہی انھیں ایک اجنبی ڈاکٹر نظر آیا۔

"ڈاکٹر انصاری نہیں آ سکیں گے۔ گھر سے نکلتے ہوئے ان کے پاؤں میں موچ آ گئی۔ میں ان کا اسسٹنٹ ہوں، لہٰذا انھوں نے مجھے بھیجا ہے۔ اب انسپکٹر صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟"

"لیکن میں نے آپ کو ڈاکٹر انصاری کے مطب میں کبھی نہیں دیکھا۔" بیگم جمشید الجھ کر بولیں۔

"مجھے انہوں نے صرف پندرہ دن پہلے ہی ملازم رکھا ہے۔"

"خیر، اندر تشریف لے آئیے۔" وہ بولیں۔

ان کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ انہیں اکرام کے الفاظ بھی یاد آئے۔ خان رحمان کو بلالیں۔ میں خطرے کی بو محسوس کر رہا ہوں۔ تو کیا ہم سب خطرے کی لپیٹ میں ہیں۔ انہوں نے سوچا اور نوجوان ڈاکٹر کو بغور دیکھنے لگیں۔ وہ انسپکٹر جمشید کی نبض دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ان کی آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر پتلیوں کو دیکھا اور پھر سیدھا ہوتا ہوا بولا:

"یہ مکمل طور پر بے ہوش ہیں۔ ابھی تک میں بے ہوشی کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔ بہر حال میں ایک انجکشن دے کر دیکھتا ہوں۔ اس کے بعد ان کا باقاعدہ معائنہ کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بیگم جمشید بولیں، پھر فون کی طرف بڑھیں اور نمبر گھمانے لگیں۔

نوجوان ڈاکٹر نے ان کی طرف دیکھا اور بولا:

"آپ کسے فون کر رہی ہیں؟"

"انسپکٹر صاحب کے دوست کو۔ ان حالات میں یہاں کسی ہمدرد کی موجودگی ضروری ہے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

سلسلہ ملتے ہی بیگم جمشید نے ریسیور میں کہا:

"ہیلو، میں بیگم جمشید بول رہی ہوں۔ ابھی ابھی میں نے فون کیا تھا اور بتایا تھا کہ انسپکٹر جمشید صاحب بے ہوش ہو گئے ہیں۔ آپ آ رہے ہیں یا نہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب تو کب کے روانہ بھی ہو چکے ہیں بیگم جمشید۔" دوسری طرف سے ڈاکٹر صاحب کی بیگم نے جواب دیا اور بیگم جمشید کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ انہوں نے فوراً کہا:

"بہت بہتر، شکریہ۔" یہ کہہ کر ریسیور رکھ کر نوجوان ڈاکٹر کی طرف دیکھا تو وہ سرنج میں سرخ رنگ کی دوا بھر رہا تھا۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا، اتنا وقت نہیں تھا کہ کمرے سے پستول اٹھا لاتیں۔ اس دوران وہ انجکشن لگا سکتا تھا۔ آخر انہوں نے چائے دانی ہاتھ میں اٹھالی۔ اس میں گرم گرم چائے موجود تھی پھر وہ پھنکارتی ہوئی آواز میں بولیں:

"مسٹر ڈاکٹر، تم یہ انجکشن انہیں نہیں لگاؤ گے۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے چائے دانی کا ڈھکنا اٹھا دیا۔

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر چونکا۔

"اس لیے کہ ڈاکٹر انصاری کے پاؤں میں کوئی موچ نہیں آئی اور انہوں نے کوئی نیا اسسٹنٹ نہیں رکھا، لہٰذا تم نقلی ڈاکٹر ہو۔

"آپ کا خیال تو واقعی ٹھیک ہے — پھر میں انجکشن نہیں لگاتا" یہ کہہ کر وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا —

دراصل وہ چائے دانی ان کے ہاتھ میں دیکھ کر ان کا ارادہ بھانپ گیا تھا — پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے اچانک جیب میں ہاتھ ڈال دیا —

"خبردار، میں یہ گرم چائے تمہارے اوپر پھینک دوں گی" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا، لیکن اتنی دیر میں وہ پستول نکال چکا تھا —

"میرا خیال ہے، اب تو میں انجکشن لگا سکتا ہوں" وہ زہریلے انداز میں مسکرایا —

"نہیں، تم اب بھی ایسا نہیں کر سکو گے" وہ بولیں —

"چائے دانی فرش پر پھینک دو ؛ ورنہ میں گولی تمہارے جسم میں اتار دوں گا"

"تم شوق سے فائر کرو — چائے دانی نیچے نہیں گرے گی"

"دیکھو، میں بہت بے رحم ہوں"

"یہ تو صاف ظاہر ہے — زہر کا انجکشن لگانے والے رحم دل تو نہیں ہوا کرتے" یہ کہتے ہوئے انہوں نے چائے دانی اس طرح پکڑ لی جیسے کسی وقت بھی چائے اچھال دیں گی —

"اچھا تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ — پہلے میں تمہارا خاتمہ

کروں گا اور پھر انسپکٹر جمشید کے جسم میں زہر داخل کروں گا"

"تم ایسا کیوں چاہتے ہو ؟"

"اپنے ملک کے لیے — یہ شخص ہمارے ملک کے لیے بہت خطرناک ہے" اس نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، تم گولی چلاؤ، میں تمہارے اوپر چائے پھینکتی ہوں" بیگم جمشید بولیں —

نوجوان ڈاکٹر کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی — بیگم جمشید نے سوچا، اس سے پہلے کہ وہ گولی چلائے، مجھے چائے پھینک دینی چاہیے — یہ سوچ کر ان کا ہاتھ حرکت میں آیا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی — دونوں زور سے چونکے — نقلی ڈاکٹر نے پریشان ہو کر بیگم جمشید کی طرف دیکھا —

"یہ کون آ گیا ؟" اس نے سرگوشی کی —

"میں کیا کہہ سکتی ہوں — لیکن ایک بات ظاہر ہے اور وہ یہ کہ تم مصیبت میں پھنس گئے ہو"

"تم جا کر دروازہ کھولو — میں دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوں گا — اگر تم نے اندر آنے والے کو کوئی اشارہ وغیرہ کرنے کی کوشش کی تو میں گولی چلا دوں گا"

"وہ تو تم پہلے ہی چلانے والے تھے — اس میں نئی کیا بات ہے اور تم نے دیکھ ہی لیا ہو گا کہ میں ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھی" وہ

نقاب والا

"ارے، یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں" فرزانہ کے منہ سے خوفزدہ انداز میں نکلا —

"کیا دیکھ رہی ہو؟" فاروق نے نیند کے عالم میں کہا۔

"کار ابا جان نہیں چلا رہے ہیں"

"کمال ہے، تو پھر یہ کس طرح چل رہی ہے" فاروق نے ہنس کر کہا — اس حالت میں بھی اس کی آنکھیں بند ہی رہیں۔

"کار کوئی اور چلا رہا ہے" فرزانہ نے کہا، لیکن جواب میں فاروق کی آواز سنائی نہ دی — تو اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا، کیونکہ اس کی آنکھیں بھی نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئے جا رہی تھیں —

"ارے — تت — تم سو گئے۔ اچھا سو جاؤ، مجھے بھی نیند آ رہی ہے — کار چل تو رہی ہے نا"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی گردن ڈھلک گئی - ہوش

بولیں —

"اب باتیں نہ بناؤ، چل کر دروازہ کھولو"

بیگم جمشید چائے دانی ہاتھ میں لیے دروازے کی طرف بڑھیں، نقلی ڈاکٹر ان کے پیچھے چلا اور پھر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا — بیگم جمشید نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا۔ ساتھ ہی وہ دعا کر رہی تھیں کہ آنے والے خان رحمان ہوں — ایک سے دو بھلے رہتے ہیں — دروازہ کھلتے ہی انہوں نے دیکھا، خان رحمان پریشان صورت لیے کھڑے تھے —

"اب کیا حال ہے بھابی!"

"ابھی تو وہی حال ہے — آئیے اندر" انہوں نے اطمینان سے کہا — خان رحمان اندر داخل ہوئے — فوراً ہی انہوں نے ایک آواز سنی —

"دروازہ اندر سے بند کر کے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو"

خان رحمان نے بوکھلا کر دیوار کی طرف دیکھا اور پھر دھک سے رہ گئے —

آیا تو خود کو ایک بند کمرے میں بند پایا — اس کے پاس ہی فرش پر فاروق لیٹا ہوا تھا —

" فاروق، کیا تم ابھی تک نیند میں ہو ؟"

" کون کہتا ہے، میں نیند میں ہوں ۔" فاروق آنکھیں بند کیے بولا —

" کچھ پتا بھی ہے، ہم کہاں ہیں ؟"

" ہم وہاں ہیں، جہاں سے ہم کو بھی کچھ اپنی خبر نہیں آتی ۔" فاروق گنگنایا۔

" اوہو، شاید شاعری کا بھوت سوار ہو گیا ہے تم پر ۔" فرزانہ نے منہ بنایا —

" شاید شاعری کا نہیں، صرف شاعری کا — شاید میں نشے میں ہوں اور جب کوئی نشے میں ہوتا ہے تو اسے شاعری ہی سوجھا کرتی ہے ۔" فاروق اسی حالت میں بولا۔

" لیکن مجھے تو نہیں سوجھ رہی ۔"

" تم میں تو شاعری کی حس ہی نہیں ہے ۔"

" تو شاعری کی بھی حس ہوتی ہے ؟" فرزانہ بولی۔

" ہاں، تم اسے ساتویں حس کہہ سکتی ہو ۔"

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز گونجی — فاروق نے چونک کر آنکھیں کھول دیں — دونوں نے دیکھا، کمرے میں داخل ہونے والے

تین آدمی تھے — ان میں سے دو وہی تھے جو ان کے لیے دعوت نامہ لے کر آئے تھے — یعنی وزیرِ دفاع کے آدمی — تیسرے کے چہرے پر ایک نقاب تھی —

" ارے ابّی، یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں ۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا —

" تم ٹھیک ہی دیکھ رہے ہو — ہمیشہ گھر کے بھیدی لنکا ڈھایا کرتے ہیں — اگر ہم نے ان لوگوں کو ڈکی کی فون پر گفتگو سننے دی ہوتی تو یہ ہمیں یہاں کبھی نہ لاتے ۔"

" تم نے ٹھیک کہا لڑکی ۔" تیسرا آدمی گرجدار آواز میں بولا۔ انہیں اس کی آواز جانی پہچانی سی لگی —

" جب وزیرِ دفاع کے اپنے خاص آدمیوں ہی میں کچھ غدار شامل ہوں تو معاملہ راز کس طرح رہ سکتا ہے۔ یہی لوگ تو انتظامات کرنے کے ذمہ دار تھے، پھر لائبریری میں ڈکی کا فون کس طرح نہ لگتا، کھانے میں نشہ آور دوا کیسے نہ شامل ہوتی ۔" فرزانہ کہتی چلی گئی —

" تو کیا سارے کھانے میں نشہ آور دوا شامل تھی ؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا —

" شاید صرف ہمارے کھانے میں ۔" فرزانہ بولی —

" کیوں بھائی، کیا یہ ٹھیک ہے ۔" فاروق نے ان تینوں

کی طرف دیکھا۔

"ہاں اس لڑکے کا نام فاروق ہے۔ بہت چرب زبان ہے۔"

"اوہو! میں نے اس کا نام بہت سنا ہے۔ خیر انہیں بتا دو ہم کیا چاہتے ہیں۔" نقاب والے نے کہا۔

"یہ تو میں پہلے ہی بتا چکی ہوں، تم وہ گفتگو جاننا چاہتے ہو جو ہمارے اور مہمان وزیرِ دفاع کے درمیان ہوئی ہے کیونکہ تم اسے سننے میں ناکام رہے ہو۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا لڑکی ۔۔۔ فوری طور پر وہ گفت گو دہرا دو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم وہ گفت گو کیوں جاننا چاہتے ہو۔ تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق؟" فاروق بولا۔

"ہم تمہیں یہاں اس لیے نہیں لائے کہ تمہاری باتوں کے جوابات دیں، تم سے کچھ سننے کے لیے لائے ہیں۔"

"اور اس مکان کو تم نے کب سے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"فکر نہ کرو۔ یہ مکان ایک زمیندار کا ہے اور وہ زمیندار ہمارا بہت پرانا دوست ہے۔ ہم نے یہ مکان عارضی طور پر اس سے لے رکھا ہے۔" نقاب والا بولا۔

"تمہاری آواز جانی پہچانی لگ رہی ہے۔ ہم کہیں سن

چکے ہیں۔"

"بہت اچھی بات ہے۔" نقاب والے نے فکرمند ہو کر کہا۔

"اچھی بات ہے، تو اس میں فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"تم دونوں وہ گفت گو بتانے کے لیے تیار ہو یا نہیں۔"

"نہیں۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"چلو، ان کی زبان کھلوانے کی تیاری کرو۔ یہ اس طرح نہیں مانیں گے۔" نقاب والے نے کہا۔

"جی بہتر۔" انہوں نے کہا اور کمرے سے چلے گئے۔ ساتھ ہی نقاب والے کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے دونوں ساتھی کمرے میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھوں میں عجیب و غریب چیزیں تھیں۔

"یہ سب کیا ہے بھئی؟" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"زبان کھلوانے کا سامان۔"

"اوہو! ایسا ہوتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا۔"

"ابھی سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔" نقاب والے نے کہا۔

اس نے ان دونوں کو اشارہ کیا۔ دونوں نے نائیلون کی رسی کے لچھے ہاتھوں میں لیے اور ان کی طرف بڑھے۔ ایک نے کہا۔

"چلو کرسیوں پر بیٹھ جاؤ۔"
"اور اگر ہم نہ بیٹھیں تو؟" فاروق بولا۔
"تب پستول کی گولیاں تمہارا مزاج پوچھیں گی۔"
"کیوں بھئی فاروق کیا خیال ہے؟" فرزانہ نے اس کی طرف دیکھا۔
"میرا خیال ہے، ہم انہیں بغیر کسی محنت کے ہی بتا دیتے ہیں — پوچھو بھئی، کیا پوچھنا ہے۔" فاروق نے کہا۔
"ہائیں، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" فرزانہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔
"کک — کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟" فاروق ہکلایا۔
"ہم انہیں کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔" فرزانہ نے گویا فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
"لیکن ایسی وہاں بات ہی کون سی ہوئی ہے، جسے پوشیدہ رکھا جائے — نہ ہم سے کوئی ایسا وعدہ لیا گیا کہ سعید گیلانی صاحب کے گھر ہونے والی گفتگو کسی کو نہیں بتائیں گے۔" فاروق نے حیرت بھرے انداز میں کہا۔
"اوہ واقعی، شاید میرا دماغ خراب ہو گیا ہے — واقعی ایسی تو کوئی بات ہی نہیں، جو چھپائی جائے۔" فرزانہ اس کی بات سمجھتے ہوئے جلدی سے بولی۔

"تو تم لوگ وہ گفتگو کو بتانے کے لیے تیار ہو؟" نقاب والے نے کہا۔
"ہاں، کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں — ہم پر کوئی پابندی بھی نہیں۔"
دراصل فاروق کا مطلب یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح وقت گزارا جائے — کیونکہ محمود ان کے تعاقب میں تھا ہی اور وہ جلد یا بدیر یہاں پہنچنے والا تھا — اس کے بعد ان کی طاقت میں اور اضافہ ہو جاتا — اور وہ ان لوگوں سے زیادہ اعتماد سے بات کر سکتے تھے —
"تو پھر بتاؤ، سعید گیلانی، عالی شاہ اور تم لوگوں میں کیا باتیں ہوئیں — ہم جانتے ہیں، لائبریری میں تم لوگوں نے کوئی بات نہیں کی — شاید ڈکٹا فون دیکھ لیا گیا تھا، لہذا تم لوگوں نے کسی اور جگہ بات چیت کی ہوگی — ہم وہی گفتگو سننا چاہتے ہیں —" نقاب والا جلدی جلدی کہتا چلا گیا —
"بہت خوب، ہم ہر بات بتانے کے لیے تیار ہیں، لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ ہم سے سوال کریں اور ہم جواب دیں، کیونکہ ہم نہیں جانتے، آپ گفتگو کا کون سا حصہ سننا چاہتے ہیں۔" فاروق نے کچھ سوچ کر کہا —
"اچھی بات ہے، ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ کیا مہمان وزیر خارجہ

نے تم لوگوں کے سامنے اپنے ملک کا کوئی مسئلہ رکھا تھا۔"

"نہیں۔" فاروق بولا۔

"پھر ان لوگوں نے تم سے علیحدگی میں ملاقات کیوں کی تھی؟" نقاب والے نے تنک کر کہا۔

"کون کہتا ہے، انہوں نے ہم سے ملاقات کی تھی۔ اور وہ بھی علیحدگی میں۔۔ وہ تو لائبریری دیکھنے کے لیے اٹھے تھے۔ ہمیں بھی دعوت دی گئی، لہٰذا ہم بھی لائبریری دیکھنے ان کے ساتھ چلے گئے۔ ہم نے لائبریری دیکھی اور واپس آ گئے۔" فاروق نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"بالکل غلط۔۔ ہم لائبریری میں ہونے والی گفتگو سنتے رہے ہیں۔۔ لائبریری سے نکلنے کے فوراً بعد تم لوگ باغ میں نہیں آئے تھے۔۔ بلکہ تقریباً پندرہ منٹ بعد آئے تھے۔۔ آخر ان پندرہ منٹ کے دوران کیا ہوتا رہا۔" نقاب والے نے جھنجلا کر کہا۔

"سیر۔" فاروق نے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

"سیر۔ کیا مطلب؟"

"مائی ڈیئر باس، یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہے۔۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ سیر کا مطلب سیر ہی ہوتا ہے۔" فاروق کا لہجہ شوخ ہو گیا۔

"سمجھا، تم ہمارا وقت برباد کرنے پر تلے ہو۔ بتاؤ وتاؤ گے کچھ نہیں۔" نقاب والا غرایا۔

"بتاؤ تک تو بات ہو سکتی ہے، لیکن جہاں تک وتاؤ کا تعلق ہے، ہم کوئی بات کرنے کے لیے تیار نہیں، کیوں فرزانہ۔" اس نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک کہا فاروق تم نے، جی خوش کر دیا۔" فرزانہ واقعی خوش ہو کر بولی۔

"تمہارے تو فرشتے بھی بتائیں گے۔" نقاب والے کا ایک ساتھی جھلا کر بولا۔

"ہاں، فرشتوں کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔۔ ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"چلو، ان دونوں کو رسی سے باندھ دو۔۔ یہ یوں نہیں مانیں گے۔"

"یہ تو بات طے ہے۔۔ تمہیں پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھی۔ ہم یوں تو کبھی مانتے ہی نہیں۔"

"حد ہو گئی۔۔ اس کی زبان گدی سے کھینچ لو۔" نقاب والا بری چیخ کر بولا۔

"اس کے لیے پہلے تمہیں ایسے تیز دانت کھولنا پڑیں گے اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔"

"دو فائر کر کے تم دونوں کا کام تمام کر دینا ہمارے لیے ذرا بھی مشکل کام نہیں ہوگا۔" ایک ساتھی بولا۔

"حامد رانا اور اسلم مجبور، ان دونوں کی گفت گو اب میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو چکی ہے۔"

"یہ مجھ پر سراسر الزام ہے ــ میں نے تو اس گفت گو میں بہت ہی کم حصہ لیا ہے۔" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"ہاں واقعی، لہٰذا دونوں گولیاں میرے سینے میں اتار دو۔"

"یوں نہیں ــ پہلے گیلانی ہاؤس میں ہونے والی ساری گفتگو تمہارے منہ سے سنیں گے اور اس کے بعد گولیاں تمہارے جسموں میں اتریں گی۔"

"اگر انجام کار ہمیں گولیاں کھانا ہیں تو پھر ہم کچھ کیوں بتائیں۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

اب تم دونوں کو زندہ چھوڑا بھی کیسے جا سکتا ہے، اس طرح تو ہمیں سعید گیلانی سے الگ ہونا پڑے گا۔" نقاب والا بولا۔

"واقعی تم لوگ تو مشکل میں پھنس گئے ــ اب کیا ہوگا۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہماری بجائے تم اپنی فکر کرو تو بہتر رہے گا۔"

"لیکن ہم تو پیدا ہی دوسروں کے لیے ہوئے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی ــ

"ہاں، ایک بات سمجھ میں نہیں آئی ــ اب تک ان کا بھائی یہاں کیوں نہیں پہنچا۔"

"پہنچ تو چکا ہوگا ــ وہ احمق مکان کے اندر داخل ہونے کی ناکام کوشش کر رہا ہوگا ــ تم اس کا فکر نہ کرو۔ باہر کالے خان درختوں میں چھپا نگرانی کر رہا ہے، اگر اس نے واپس جانے کی کوشش کی تو موت اس کا مقدر ہوگی اور اگر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا رہا، تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا ــ اگر وہ صدر دروازے پر آ کر دروازہ کھٹکھٹائے گا تو ہم اس کا استقبال کرنے کے لیے حاضر ہیں ہی۔" نقاب والے نے سفاک لہجے میں کہا۔

فاروق اور فرزانہ فکرمند ہو گئے ــ اب تک وہ محمود کی طرف سے کسی مدد کے منتظر تھے، لیکن اب یہ امید بھی ٹوٹتی نظر آئی ــ اسی وقت وہ چونکے ــ مکان کے دروازے پر دستک ہوئی تھی ــ

خاص بچے

صدر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے محمود سوچ رہا تھا کہ اب
اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہ صدر دروازے پر دستک دے اور
دروازہ کھلنے پر اندر داخل ہو جائے، پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔
کم از کم فاروق اور فرزانہ یہ تو محسوس نہیں کر سکیں گے کہ محمود
انہیں مصیبت میں چھوڑ کر مکان کے باہر گھومتا رہا۔ اب تک
اندھیرا کافی بڑھ گیا تھا۔ جنگل میں تو یوں بھی تاریکی زیادہ
معلوم ہوا کرتی ہے۔ آخر دروازے پر پہنچ کر اس نے لوہے کا
بھاری کنڈا دروازے پر زور زور سے مارنا شروع کیا، پھر جوابی
کارروائی کے انتظار میں رک گیا۔ چند لمحے تک انتظار کرنے
کے بعد اس نے یہی عمل پھر دہرایا۔ آخر قدموں کی چاپ
سنائی دی، پھر دروازہ کھلا اور اندھیرے میں ایک آدمی نظر آیا،
محمود کو اس کے چہرے کے نقوش صاف دکھائی نہ دیے۔
"کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا اور بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔
پھر چند قدم اندر جا کر پلٹا اور بولا:
"جن دو کو آپ لوگ پکڑ کر یہاں لائے ہو، میں ان کا
بھائی ہوں، جہاں وہ ہوتے ہیں، میں بھی وہیں پہنچ جایا کرتا ہوں۔
اس لیے چلا آیا۔ امید ہے تم محسوس نہیں کرو گے۔"
"اوہ، تو تم ان کے بھائی ہو۔ آ جاؤ اندر۔" اس نے
کہا اور دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا۔
اندھیرے برآمدے میں چلتے ہوئے وہ ایک کمرے میں آئے،
یہاں ایک بلب روشن تھا۔ فاروق اور فرزانہ پر نظر پڑتے
ہی محمود نے اطمینان کا سانس لیا۔
"خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ سلامت ہو۔" اس کے منہ
سے نکلا۔
"اور تمہاری آمد کا بھی شکریہ۔ کہو کوئی مدد وغیرہ بھی لے
کر آئے یا نہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔
"نہیں، اکیلا ہی آیا ہوں۔ کیا معاملہ ہے۔ یہ لوگ تم
دونوں کو یہاں کیوں لائے ہیں؟"
"یہ ہم سے سعید گیلانی ہاؤس میں ہونے والی وہ گفتگو
سننا چاہتے ہیں جو ہوئی ہی نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہم نے
لائبریری سے نکل کر مہمان وزیر دفاع سے کوئی خاص بات چیت

کی ہے۔"

"اوہو اچھا۔" محمود نے حیران ہو کر کہا اور ان تینوں کو پہلی مرتبہ غور سے دیکھا، پھر چونک کر بولا:

"ہائیں، ان میں سے دو تو وہ ہیں، جو ہمارے لیے دعوت نامہ لائے تھے۔"

"ہاں، انھوں نے ہی لائبریری میں ڈکٹا فون لگایا تھا۔"

"بہت خوب، چلو اچھا ہوا، ہمیں ان لوگوں کو تلاش نہیں کرنا پڑا۔" محمود خوش ہو کر بولا: "لیکن یہ تیسرے صاحب کون ہیں؟ انھوں نے اپنا چہرہ کیوں چھپا رکھا ہے۔"

"شاید شرماتے ہیں — ویسے ان کا نام باس ہے۔" فاروق نے کہا۔

"بہت اچھا نام ہے — یہ نام ہم اور بھی بہت سے لوگوں کے سن چکے ہیں — اور اس نام کے لوگ ہمیشہ ہی مجرمانہ ذہنیت کے ثابت ہوتے ہیں، اب دیکھیں، یہ کیسے ثابت ہوتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"حامد رانا، کیا انہیں ان کی تقریر سننے کے لیے لایا گیا ہے؟" باس نے بھنا کر کہا۔

"نہیں باس، ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ یہ لوگ باتیں بنانا بالکل بھول جائیں گے۔" یہ کہہ کر حامد رانا ان کی طرف مڑا

اور سرد آواز میں بولا:

"کرسیوں پر بیٹھ جاؤ، ورنہ گولیاں کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ — باس اگر یہ میرے تین تک گننے تک کرسیوں پر نہ بیٹھیں تو گولیاں ان کے سینے میں اتار دیں، ہم کسی اور ذریعے سے وہ گفتگو معلوم کر لیں گے — یوں بھی اب ہم انہیں زندہ تو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"ٹھیک ہے — میں یہی کروں گا، کیونکہ میں ان کی بک بک سے تنگ آ گیا ہوں۔"

"ارے تو پہلے بتایا ہوتا۔ ہم اسے فوراً بند کر دیتے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اب کیا پروگرام ہے محمود — یہ تو گنتی گننے لگے ہیں۔"

"چلو پھر بیٹھ جاتے ہیں کرسیوں پر۔" محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"تم بھی یوں ہی چلے آئے اندھا دھند — کوئی کام ہی دکھا کر آتے۔" فاروق نے اسے گھورا اور پھر ایک کرسی کی طرف بڑھنے لگا۔

کرسیاں کمرے کی دیوار کے قریب رکھی تھیں — باس کرسیوں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، گویا وہ ان لوگوں کو نشانے پر بہت آسانی سے لے سکتا تھا — فرزانہ اور محمود نے بھی فاروق کا ساتھ دیا

اور ایک ساتھ کرسیوں کی طرف آئے، پھر تیزی سے ان کے پیچھے آتے ہوئے کرسیاں ایک دم باس پر اچھال دیں۔ اسے شاید یہ امید نہیں تھی۔ کرسیاں اس سے ٹکرائیں اور وہ لڑکھڑا گیا۔ لیکن ان کی یہ کوشش بے کار ہی گئی، کیونکہ کرسیاں زیادہ طاقت سے نہیں پھینکی جا سکی تھیں۔ پستول نقاب والے کے ہاتھ میں ہی رہ گیا، وہ تو اس وقت کوئی کام دکھا سکتے تھے جب پستول اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔

"یہ یوں نہیں مانیں گے۔ ان کی مرمت کرنا پڑے گی۔ ذرا ان کی ٹھکائی کرو اور جب یہ بے دم ہو جائیں تو پھر تم انہیں نہایت آسانی سے باندھ سکو گے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" حامد رانا نے کہا اور اسلم بھور کے ساتھ ان کی طرف بڑھا۔ وہ چوکنے انداز میں کھڑے ہو گئے۔ یہ انہیں ایک بہترین موقع ملا تھا۔ یہ انہوں نے جان لیا تھا کہ مکان میں ان تین آدمیوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا، لہٰذا اچھل کود کی صورت میں تو وہ کچھ نہ کچھ کر ہی سکتے تھے۔

"دیکھو بھائی، ہم ذرا نازک مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اگر کہیں سے ٹوٹ پھوٹ گئے تو ہمارے ابا جان برداشت نہیں کر سکیں گے۔" فاروق نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کرو، وہ بھی نہیں مارے جائیں گے۔"

"اچھا، پھر تو تمہارا پروگرام کافی لمبا ہے۔" فاروق بولا۔

اسی وقت حامد رانا اور اسلم بھور ان پر جھپٹے، لیکن بھلا وہ ان کے ہاتھ کہاں آتے، ایک ساتھ جھکائی دے کر دوسری طرف نکل گئے۔ باس نے بھی پستول کا رخ ان کی طرف موڑ دیا۔

"انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔ عام بچے سمجھ کر ان کی طرف نہ بڑھو۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"ہاں، ہمیں خاص بچے سمجھ کر ہماری طرف آؤ۔ ان شاء اللہ پرجوش استقبال کیا جائے گا۔" فاروق ہنسا۔

"دھت تیرے کی، تم ایسے میں بھی سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔"

"کیوں ایسے میں سنجیدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

اچانک حامد رانا نے لوہے کا ایک ڈنڈا اٹھا لیا۔ یہ ڈنڈا اس سامان میں موجود تھا جو وہ زبان کھلوانے کے لیے لائے تھے۔ اس کی دیکھا دیکھی اسلم بھور نے زنبور ہاتھ میں لے لیا۔ یہ چیزیں چونکہ باس کے قدموں کے قریب پڑی تھیں۔ اس لیے ان کی پہنچ سے دور تھیں۔

"لو بھئی، اب بچ کر دکھاؤ۔" حامد رانا نے ڈنڈا ہاتھ میں تولتے ہوئے کہا۔

اس بار دونوں وحشیانہ انداز میں آگے بڑھے تھے۔ حامد رانا

نے ڈنڈا محمود کے سر پر رسید کرنے کی کوشش کی۔ اس نے
انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کیا، لیکن اس کے آگے فاروق آگیا،
جو اسلم بجود کے زنبور سے بچنے کے لیے ادھر مڑ گیا تھا۔ نتیجہ
یہ ہوا کہ ڈنڈا اس کے کندھے پر لگا۔ وہ چکرا گیا، کیوں کہ
کندھے کی ہڈی پر ضرب لگی تھی۔ فاروق بھی خود کو زنبور سے
پوری طرح نہ بچا سکا۔ کیونکہ محمود کی وجہ سے وہ بھی دور نہیں
نکل سکا تھا۔ زنبور اس کی ٹھوڑی کے پچھلے حصے میں لگا۔
ٹھوڑی سے خون چھلک اٹھا اور اس کے ساتھ ہی ان کے بازو ان
دونوں کے قبضے میں آگئے۔ یہ دیکھ کر فرزانہ گھبرائی۔ اس نے
ان کی طرف جھپٹنے کی کوشش کی ہی تھی کہ عین اسی وقت دروازے
پر دستک ہوئی۔ حامد رانا اور اسلم بجود کے ساتھ باس بھی زور سے
چونکا۔

"یہ تو کالے خان ہے۔" باس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں باس، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"تم دونوں یہیں ٹھہرو، میں دیکھتا ہوں، کیا بات ہے؟" باس
نے کہا اور صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ حامد رانا اور اسلم بجود
محمود اور فاروق کو بازوؤں سے پکڑ کر کرسیوں کی طرف لے چلے۔
شاید ان کے چوٹیں شدید آئی تھیں؛ ورنہ وہ اس طرح آسانی سے
کرسیوں کی طرف ہرگز نہ جاتے۔ فرزانہ نے اس صورتِ حال کا پریشان

نظروں سے جائزہ لیا اور پھر اس سامان کی طرف بڑھنے لگی جو زبان
کھلوانے کے سلسلے میں لایا گیا تھا۔

○

باس دروازے پر پہنچا اور کنڈی گرا کر دروازہ کھول دیا۔
باہر تاروں کی روشنی میں اسے کالے خان کھڑا دکھائی دیا۔ یہ
ایک پتلا دبلا اور لمبا سا آدمی تھا۔

"کیا بات ہے کالے خان؟"

"ابھی ابھی کئی گاڑیاں سڑک سے ادھر مڑی ہیں۔" کالے خان
نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہو، اس کا مطلب ہے، پولیس آ پہنچی۔" باس نے
چونک کر کہا۔

"اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"تب پھر تم بھی اندر آ جاؤ۔ ہم دروازہ کھلا چھوڑ دیتے
ہیں۔ ہمیں تین منٹ کے اندر اندر روپوش ہو جانا چاہیے۔"

"لیکن باس، دونوں کاریں تو دروازے پر ہی کھڑی ہیں۔"

"پروا نہ کرو، آؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے کالے خان کو اندر کھینچ لیا اور دروازہ

برابر کر دیا۔ اس کے بعد تیزی سے اندر کی طرف بڑھا۔ جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ دونوں بھیانک انداز میں چیخے۔ ان کے سروں پر وزنی چیزیں ماری گئی تھیں۔ ساتھ ہی وہ چکرا کر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ اندر حامد اور اسلم بھی بے ہوش پڑے تھے۔ فرزانہ کے ہاتھ میں خنجر نما ایک بڑا سا اوزار تھا۔ اس نے اسی اوزار سے حامد رانا اور اسلم بھور کے سروں کی خبر لی تھی اور اس کے بعد وہ تینوں لوہے کا ڈنڈا، شکنجہ اور زنبور ہاتھ میں لے کر دروازے کے ساتھ لگ گئے تھے، پھر جوں ہی باس اور کالے خان اندر داخل ہوئے، ان کے ہاتھ حرکت میں آ گئے۔

اور اب صورتِ حال ان کے ہاتھ میں تھی۔

"بہت خوب فرزانہ، تم کام دکھا گئیں۔"

"کام تو پولیس کی گاڑیوں نے دکھایا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"آؤ دروازے پر پولیس کا استقبال کریں۔" فاروق نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ پہلے ہمیں ان چاروں کو باندھ لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو، ان میں سے کوئی ہوش میں آ جائے اور ہمارے لیے الجھن کا باعث بنے۔" فرزانہ بولی۔

"بات تو ٹھیک ہے، آؤ پھر۔"

تینوں انہیں باندھ ہی رہے تھے کہ مکان کے باہر کئی گاڑیاں

رُکنے کی آواز آئی۔ اور پھر بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے گردنیں موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر ایک ساتھ ان کے منہ سے نکلا:

"ارے انکل اکرام، یہ آپ ہیں؟"

کچھ اور بھی

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔" دیوار سے لگے آدمی نے غرا کر کہا۔

"بہت اچھا جناب، مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔" خان رحمان نے چونک کر کہا اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے، پھر بولے:

"یہ کیا ماجرا ہے بھالی؟"

"میں نے ڈاکٹر انصاری کو فون کیا تھا۔ ان کی جگہ یہ آ گیا اور مجھے بتایا کہ ڈاکٹر انصاری نہیں آ سکتے۔ ان کے پیر میں موچ آ گئی ہے، لہذا انہوں نے اسے بھیجا ہے، وہ ان کا نیا اسسٹنٹ ہے۔ مجھے حیرت ہوئی۔ اس کی باتوں پر یقین نہ آیا اور جب یہ انجکشن لگانے کی تیاری کر رہا تھا تو میں نے انصاری صاحب کے نمبر ڈائل کر کے معلوم کیا تو پتا چلا، انصاری صاحب گھر سے روانہ ہو چکے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ غلط

آدمی ڈاکٹر کے روپ میں آ گیا ہے، چنانچہ میں اس کے راستے میں آ گئی۔ ابھی ہم ایک دوسرے پر قابو پانے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ آپ نے گھنٹی بجا دی۔"

"ہوں، تو یہ بات ہے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں، اور اب تم بھی ان دونوں کی صف میں شامل ہو گئے ہو۔" نقلی ڈاکٹر غرایا۔

"بھائی میں تو ہمیشہ سے ان کی صف میں شامل ہوں۔ یہ تم نے کیا نئی بات کہی۔" خان رحمان مسکرائے۔

چلتے ہوئے اب وہ انسپکٹر جمشید کے نزدیک آ گئے تھے۔ انسپکٹر جمشید اب تک بے سدھ پڑے تھے۔

"حیرت ہے، انہیں ہوا کیا ہے؟"

"شاید کوئی خواب آور دوا دی گئی ہے۔"

"ہوں، ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"تم دونوں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" نقلی ڈاکٹر نے گویا انہیں حکم دیا۔

"کیا تم بھول گئے کہ میرے ہاتھ میں ابھی تک چائے دانی ہے۔" بیگم جمشید نے اسے یاد دلایا۔

"مجھے یاد ہے، لیکن چائے تو اب تک ٹھنڈی ہو چکی ہو گی۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"تم کیا چاہتے ہو دوست؟"

"انسپکٹر جمشید کو زہر کا ٹیکہ لگاؤں گا۔"

"لیکن تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟" وہ بولے۔

"یہ شخص ہمارے راستے کا پتھر ہے۔"

"بہت خوب، تو پھر سنو — میں ان کا دوست ہوں۔ انہیں زہر کا انجکشن لگانے سے پہلے تمہیں مجھے راستے سے ہٹانا ہوگا۔"

"چلو ایسا ہی کر لیتے ہیں — جہاں ایک آدمی کو راستے سے ہٹانا ہے، وہاں دو یا تین کو سہی۔"

"لیکن تم زہر کی بجائے گولی کیوں استعمال نہیں کرتے۔" خان رحمان بولے۔

"آیا تو میں اسی لیے تھا کہ خاموشی سے زہر کا ٹیکہ لگا کر چلتا بنوں گا، لیکن یہ بیگم صاحبہ بہت چالاک ہیں — انہوں نے بھانپ لیا کہ میں نقلی ڈاکٹر ہوں — کاش میں اپنے پستول پر سائلنسر چڑھا کر آیا ہوتا۔" اس نے کہا۔

"اوہ، تو تم گولی کی آواز سے خوف زدہ ہو۔ کہیں اس طرح تم پکڑے نہ جاؤ۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں — لیکن خیر اب کچھ بھی ہو — میں اپنا کام ضرور کروں گا — چلو دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"افسوس، میں ایسا نہیں کر سکتا۔" خان رحمان بولے۔

"اور میں بھی نہیں۔" بیگم جمشید سینہ تان کر بولیں۔

یہ کہتے ہوئے دونوں اس کے اور انسپکٹر جمشید کے درمیان آ گئے — نقلی ڈاکٹر پریشان ہو گیا کہ کرے تو کیا کرے — گولی چلا کر وہ خود پھنستا تھا، اسے کیا معلوم تھا کہ وہ جس گھر میں جا رہا ہے، وہاں موت سے ڈرنے والے نہیں رہتے۔ اس نے پریشان کن انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے وہ بھونچکا رہ گیا — خان رحمان نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پستول اس کے ہاتھ سے چھین لیا تھا۔

"اب تم خود ہاتھ اٹھا دو بزدل — بہادروں سے لڑنا بہت مشکل کام ہے۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی اور بیگم جمشید کا چہرہ کھل اٹھا — انداز محمود کا تھا — وہ دروازہ کھولنے کے لیے لپکیں اور پھر چاروں مجرموں، اکرام اور سب کے ساتھ اندر آئیں — نقلی ڈاکٹر کو بھی باندھ دیا گیا — پھر انسپکٹر جمشید کو بستر پر لٹا دیا گیا۔ ایک اور ڈاکٹر کو فون کیا گیا — اکرام نے اپنے کچھ ماتحتوں کو ڈاکٹر انصاری کی تلاش میں روانہ کیا۔

جلد ہی ڈاکٹر آ گیا — اس نے ان کا جائزہ لیا — ایک انجکشن لگایا اور اس کے پندرہ منٹ بعد انسپکٹر جمشید نے آنکھیں کھول دیں — اسی وقت اکرام کے آدمی آ گئے — ڈاکٹر انصاری انہیں

گھر سے تھوڑے فاصلے پر اپنی کار میں بے ہوش مل گئے تھے ۔ وہ
انہیں ہسپتال میں چھوڑ کر واپس آ گئے تھے ۔

انسپکٹر جمشید نے ہوش میں آنے کے بعد بوکھلائے ہوئے
انداز میں سب کو دیکھا اور پھر بولے :

"کیا معاملہ ہے بھئی ' ارے محمود ' فاروق ' فرزانہ ۔ تم
آ گئے ؟"

"جی ہاں ۔"

پھر انہیں پورا ماجرا سنایا گیا ۔ ان کی نظریں باس پر
جم گئیں ۔ آخر وہ بولے :

"ابھی اس کا نقاب نہ الٹا جائے ۔ پہلے میں سعید گیلانی
صاحب کو فون کروں گا ۔" یہ کہہ کر انہوں نے فون پر ان کے
نمبر ڈائل کیے ۔ تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد سلسلہ مل گیا ۔
انہوں نے مختصر لفظوں میں روداد انہیں سنائی اور ان سے اپنے
گھر آنے کی درخواست کی ۔ معاملہ بے حد اہم تھا ' اس لیے انہوں
نے کہا کہ وہ اسی وقت روانہ ہو رہے ہیں ' حالانکہ وہ ابھی ابھی
مہمان وزیر دفاع کو رخصت کر کے آ رہے تھے ۔

انہیں وہاں پہنچنے میں صرف دس منٹ لگے ۔ اسی دوران
سب لوگ انسپکٹر جمشید کے ڈرائنگ روم میں ہی موجود رہے ۔ کسی
نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی تھی ۔ پانچوں مجرم بھی

بدستور بندھے پڑے رہے ۔ سعید گیلانی صاحب ڈرائنگ روم میں
داخل ہوئے تو سب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے ۔ اب انہیں سارے
حالات تفصیل سے سنائے گئے ۔ انسپکٹر جمشید کے خاموش ہونے پر
ان کے منہ سے نکلا ۔

"اف خدا ' یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان لوگوں نے
جال پھیلا رکھا ہو ۔"

"جی ہاں ' جال بھی کوئی ایسا ویسا نہیں ' مہمان وزیر دفاع
کے ہمارے ملک میں داخل ہونے سے پہلے ہی انہوں نے یہ
جال تیار کر لیا تھا ۔ ان کی اچانک آمد ہمارے دشمن ملک کو
ضرور کھٹکی ہو گی ' لہٰذا انہوں نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے یہ
معلوم کرنے کا پروگرام بنایا کہ مہمان وزیر دفاع یہاں کس لیے
آئے ہیں ' کہیں وہ کوئی خفیہ معاہدہ کرنے تو نہیں آئے یا
کوئی اور بات تو نہیں ' چنانچہ ان کے ایجنٹ سائے کی طرح
ان کے ساتھ ساتھ لگے رہے ۔ جب ایجنسیوں میں ایسے ایسے خاص
لوگ موجود ہوں ' جیسے کہ یہ حضرات ' تو پھر ہر کام ان کی مرضی
کے مطابق کیوں نہ ہو ' چنانچہ انہیں ان کے ہر پروگرام کا پتا
پہلے ہی چلتا رہا ۔ یہ ہر مقام پر ڈکٹا فون نصب کرتے رہے ،
لیکن مہمان وزیر دفاع بھی بہت ہوشیار ہیں ۔ انہوں نے کسی بھی
مقام پر اصل معاملے کی ہوا نہ لگنے دی ۔ اگر انہوں نے صاحب

صدر اور آپ سے کوئی بات کی بھی تو ایسے کھلے مقام پر، جہاں کسی ڈکٹا فون کا امکان نہیں تھا۔ آخر انھوں نے آپ سے اپنے گھر ایک تقریب منعقد کرنے کی فرمائش کی اور یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اس تقریب میں ہمیں بھی بلایا جائے۔ اس موقعے پر انہیں اصل بات بھی بتانا پڑی۔ صدر صاحب اور آپ فوراً تیار ہو گئے۔ اس طرح گیلانی ہاؤس میں تقریب کا انتظام کیا گیا، لیکن یہاں بھی ڈکٹا فون نصب کر دیے گئے۔ میں جب لائبریری دیکھنے کے بہانے ان کے ساتھ لائبریری میں داخل ہوا تو اس سے پہلے ہی میں نے یہ خطرہ ظاہر کر دیا تھا کہ ہماری گفت گو سننے کی کوشش کی جا سکتی ہے، چنانچہ ہم نے لائبریری کی تلاشی لی، وہاں ڈکٹا فون موجود تھا، اس لیے ہم نے وہاں کوئی گفت گو نہ کی اور صحن میں آ گئے۔ جال بچھانے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم لائبریری میں بات چیت نہیں کریں گے، لہٰذا وہ ہماری گفت گو نہ سن سکے۔ اب انہیں اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کرنا پڑی۔ کیونکہ مہمان تو رخصت ہونے والے تھے۔ اس کے بعد وہ گفتگو کس طرح معلوم کر سکتے تھے۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ مہمان جب لائبریری سے فارغ ہو کر باغ میں آئیں گے تو سب لوگوں کو پھر شربت وغیرہ پیش کیا جائے گا! چنانچہ انھوں نے میرے، محمود، فاروق اور فرزانہ کے گلاسوں میں خواب آور دوا شامل کر دی۔

اور پھر تعاقب شروع کر دیا۔ ہم ہوائی اڈے سے واپس ہوئے تو ایک نیلی کار ہمارے تعاقب میں تھی۔"

اس کے بعد جو کچھ ہوا، انسپکٹر جمشید نے وہ بھی سنا دیا۔ آخر خاموش ہوتے ہوتے بولے:

"اب بتائیے، آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ان لوگوں کی گرفتاری کے علاوہ میں اور کیا چاہوں گا۔"

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی خفیہ پولیس نے پانچوں مجرموں کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

"کیا آپ جانتے ہیں، یہ نقاب والا کون ہے؟" سعید گیلانی بولے۔

"نہیں، آپ کے آنے سے پہلے ہم نے اس کا چہرہ دیکھنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تو پھر آپ اس کا چہرہ دیکھ لیجیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس کا نقاب الٹ دیں۔ انھوں نے تعمیل کی۔ نقاب الٹ گیا اور پھر وزیر دفاع کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ ان سب کے سامنے سعید گیلانی کا پرائیویٹ سیکرٹری ناصر جامی پڑا تھا۔

۵

"اف میرے اللہ، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" سعید گیلانی کے منہ سے تھرتھر کانپتی آواز میں نکلا۔

باقی سب لوگ بھی بھونچکا سے رہ گئے۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ لیکن یقین کرنے کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ خود محمود، فاروق اور فرزانہ بھی حیران تھے۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ انہیں نقاب والے کی آواز جانی پہچانی کیوں لگ رہی تھی۔ اسی روز تو استقبال کرتے وقت انہوں نے اس کی آواز سنی تھی۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"پروگرام کیا ہوگا۔ یہ سب لوگ جیل جائیں گے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ انہیں جیل بھجوانے کا انتظام کیجیے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اکرام کو اشارہ کیا کہ وہ پانچوں کو دوسرے کمرے میں بند کر دے، جب تک کہ قانون کے محافظ انہیں لینے کے لیے نہیں آجاتے۔

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید کاغذ پر کچھ لکھنے لگے، پھر انہوں نے وہ کاغذ تہہ کرکے گیلانی صاحب کو دے دیا۔ وہ کاغذ لے کر ایک طرف چلے گئے اور اسے پڑھنے لگے، پھر دیر سے

سے مسکرائے، سر ہلایا اور باہر نکل گئے۔

"ابا جان، آپ نے کیا لکھ کر دیا ہے کاغذ پر۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن ابا جان، یہ لکھ کر دینے کی ایسی کیا ضرورت تھی۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا لکھ کر دینے کی؟" انہوں نے فاروق کو گھورا۔

"یہی، فکر نہ کرو۔" وہ مسکرایا۔

"تم غلط سمجھے، میں نے انہیں کچھ اور لکھ کر دیا ہے۔"

"اور، یہ کچھ اور کیا ہے؟"

"یہ ابھی تمہیں نہیں بتایا جا سکتا۔" انہوں نے کہا۔

پھر جوں ہی پولیس کے سپاہی مجرموں کے لیے جیل کی گاڑی لے کر پہنچے اور وہ باہر نکلے۔ انسپکٹر جمشید بھی ان تینوں کو ساتھ لے کر گھر سے نکلے۔ ایک کار میں بیٹھ کر ایک سمت میں روانہ ہو گئے۔

"ابا جان، ہم کہاں جا رہے ہیں۔" فرزانہ نے بے تاب ہو کر کہا۔

"خاموش رہو، ذہن پر زور دو کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا آپ اسی وقت اپنے ملک سے روانہ ہونا چاہتے ہیں؟" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ بولے۔

"کیا آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اب بھی کوئی آپ کا تعاقب کر رہا ہے یا نہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، یہ بات بھی ہے، لیکن میں کچھ اور بھی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"یا خدا رحم، آخر یہ کچھ اور کیا ہے۔" فاروق بولا۔

"میں نے کہا نا، ذہن پر زور دو۔"

"ابا جان ایک بات سمجھ میں نہیں آئی — اس مکان میں ہمیں تو فوراً ہی ہوش آ گیا، لیکن آپ کو انجکشن لگایا گیا تب کہیں جا کر ہوش آیا اور محمود بے ہوش ہوا ہی نہیں۔" فرزانہ نے نئی بات کہی۔

"اچھا سوال ہے اور میں حیران بھی تھا کہ تم میں سے کسی نے اب تک یہ سوال کیوں نہیں پوچھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں نے تو اس لیے نہیں پوچھا کہ بعد میں جو شربت دیا گیا، میں نے پیا ہی نہیں تھا، لہٰذا میں خود بخود یہ بات سمجھ گیا تھا کہ میں بے ہوش کیوں نہیں ہوا۔"

"لیکن میں اور فرزانہ تھوڑی دیر کیوں بے ہوش رہے اور ابا جان زیادہ دیر کیوں؟" فاروق نے اعتراض کیا۔

"اس لیے کہ تمہیں فوراً ہی انجکشن لگا دیے گئے جب کہ

مجھے طبی امداد بہت دیر بعد ملی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"مطلب یہ کہ اس مکان میں لے جا کر تم دونوں کو انجکشن لگائے گئے ہوں گے۔"

"اوہ، ضرور یہی بات ہے — میں بازو پر جلن سی محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہوں، آپ کا خیال ٹھیک ہے — ارے، یہ آپ کدھر نکل آئے۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

آخری کام

جس وقت انسپکٹر جمشید مکان میں داخل ہوئے، اس کے ایک گھنٹے بعد ایک کار مکان کے سامنے آ کر رکی۔ اس میں سے پانچ آدمی اتر کر مکان کی طرف بڑھے۔ دروازے کو دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئے۔ دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے انہوں نے بلب جلا لیا۔ یہ ناصر جامی، حامد رانا، اسلم بھور، کالے خان اور نقلی ڈاکٹر تھے۔

"قسمت ہی اچھی تھی، جو ہم فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر کہیں ہمیں ہتھکڑیاں لگا کر لے جایا جاتا تو ہم فرار ہونے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے۔" کالے خان کہہ رہا تھا۔

"لیکن باس، میرے خیال میں ہمیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" اسلم بھور نے کہا۔

"فکر نہ کرو، اول تو کسی کو خیال تک نہیں آئے گا کہ ہم فرار ہونے کے بعد ادھر کا ہی رخ کریں گے اور اگر کوئی یہ خیال

کرکے ادھر آ بھی نکلا تو بھی اسے ہم یہاں کہیں نظر نہیں آئیں گے۔" ناصر جامی نے کہا۔

"لیکن اب ہمارا بنے گا کیا؟" حامد رانا نے پریشان ہو کر کہا۔

"بننا کیا ہے، جس ملک کے لیے اتنے عرصے سے کام کر رہے ہیں۔ اب اسی کا رخ کریں گے۔ وہاں جا کر ہماری خدمات کا صلہ ہمیں ملے گا۔"

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" نقلی ڈاکٹر بولا۔

"بھئی سہراب، اب ڈرنے کی کیا بات رہ گئی ہے۔" ناصر جامی ہنس کر بولا۔

"باس، اگر کوئی ہماری تلاش میں ادھر آ گیا تو کار باہر کھڑی دیکھ کر آسانی سے اس مکان سے نہیں ٹلے گا اور پھر وہ جاسوس خاندان یہاں آ دھمکے گا۔" کالے خان نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ہاں، یہ بات ٹھیک ہے۔ خیر تم جا کر کار درختوں کے جھنڈ میں چھپا آؤ۔" ناصر جامی بولا۔

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور واپس مڑ گیا۔

وہ چاروں اس کمرے میں آئے جس میں انہیں محمود، فاروق اور فرزانہ کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

"اب آپ کا پروگرام کیا ہے؟"

"پہلے تو اپنی کارگزاری کی رپورٹ دیں گے اور پھر انہیں یہ بتائیں گے کہ اب ہم اس ملک میں نہیں ٹھہر سکتے، لہٰذا کسی نہ کسی طرح ان کے پاس پہنچ رہے ہیں۔"

"باس، کیا آپ کو یقین ہے، وہ ہمیں قبول کر لیں گے؟"
اسلم بھور نے فکر مند ہو کر کہا۔

"بھئی ہم دس سال سے ان کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں، کیا وہ ہمارے لیے اتنا بھی نہیں کریں گے؟"
تھوڑی دیر بعد کالے خان کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"کیوں کالے خان، ہو گیا کام؟"

"جی ہاں، اب کار کسی کو آسانی سے نظر نہیں آ سکے گی۔ میں بیرونی دروازہ بھی کھلا چھوڑ آیا ہوں۔ اندر سے بند کرنے کی صورت میں ادھر آنے والے شک میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اب جب وہ باہر نہ کوئی کار دیکھیں گے اور نہ دروازہ بند پائیں گے تو اندر داخل ہوتے بغیر ہی یہ سمجھ لیں گے کہ ہم لوگ ادھر نہیں آئے۔ اس کے بعد انہوں نے اندر دیکھا بھی تو سرسری نظر سے۔"

"بھئی واہ، کالے خان۔ تم تو دن بدن عقل مند ہوتے

جا رہے ہو۔"

"شکریہ باس۔"

"اب آؤ، پہلے پیغام دینے کا کام کر لیں، پھر چند دن تک ہم تہہ خانے میں ہی رہیں گے۔" یہ کہہ کر ناصر جامی نے فرش پر بچھا قالین الٹ دیا۔ فرش کے بیچوں بیچ فرش کے رنگ کا ہی ایک چوکور دروازہ نظر آیا۔ جو بغور دیکھنے پر ہی نظر آ سکتا تھا۔ دروازے کے کنارے پر فرش میں ایک ننھا سا گڑھا بھی تھا۔ اس گڑھے میں ایک زنجیر تھی۔ اس نے زنجیر کا ایک سرا پکڑ کر اٹھایا۔ دوسرا سرا دروازے میں بندھا تھا۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ نہایت آسانی سے آواز پیدا کیے بغیر کھل گیا۔ شاید اس میں کمانیاں یا سپرنگ لگائے گئے تھے۔

"چلو نیچے۔" ناصر جامی بولا۔
اس کے ساتھی ایک ایک کر کے نیچے اترنے لگے۔ سب سے آخر میں ناصر جامی اترا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ قالین وہ پہلے ہی لپیٹ کر دوسرے کمرے میں رکھ آئے تھے اور دروازے کے اوپر میز سرکا دی تھی۔ جلد ہی تہہ خانے میں بلب جل اٹھا۔ یہ ایک پختہ کمرہ تھا۔ اس میں میز کرسیاں، چار چارپائیاں اور کھانے پینے کے برتن تک موجود تھے۔

ایک الماری کا دروازہ کھولتے ہوئے ناصر جامی نے وائرلیس کی
قسم کا ایک سیٹ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اور پھر اس کا
سوئچ آن کرنے ہی والا تھا کہ ایک آواز تہ خانے میں گونجی۔
"خبردار، اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

انھوں نے بوکھلا کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر
ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ وہاں انسپکٹر جمشید، محمود،
فاروق اور فرزانہ کھڑے تھے اور ان کے ہاتھوں میں پستول بھی
تھے۔

"مسٹر ناصر جامی، اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ تم اپنی کوشش
سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے ہو۔ یہ سب کچھ میرے اشارے
پر ہوا ہے۔ میرے ہی اشارے پر تمہیں ہتھکڑیاں لگا کر یہیں
لے جایا گیا اور پھر فرار ہونے کا ایسا موقع دیا گیا کہ تم اسے
اپنی کوشش کا نتیجہ سمجھو۔ ہم یہاں تم سے پہلے ہی آگئے تھے۔
اب یہ مکان پوری طرح گھیرے میں ہے اور تمہارے بچ نکلنے کے
کوئی امکانات نہیں۔ ویسے میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ دشمن
ملک میں تمہارے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہ کیا جاتا، وہ لوگ

اپنے ناکارہ جاسوسوں کو گولی کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔ ظاہر ہے،
انہیں کیا پڑی کہ دشمن ملک کے ایسے لوگوں کو اپنے پاس
رکھیں، جو اپنے ملک سے غداری کرتے رہے ہیں۔ ایسے لوگوں
کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ جو اپنے ملک سے
غداری کر سکتا ہے، وہ ان سے غداری کیوں نہیں کرے گا،
لہذا تم وہاں نہیں جا سکو گے تو اس میں بھی تمہاری ہی بہتری
ہے۔ اب رہا اپنے ملک کا معاملہ، تو جو نقصان دس سال
تک تم نے پہنچایا ہے، اس کی سزا تو بہر حال تمہیں ملے گی،
لیکن آج تک تم اس ملک کو نقصان پہنچاتے رہے ہو۔ آج
ایک فائدہ بھی پہنچا دو۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش
ہو گئے۔

"فائدہ! کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔" ناصر جامی نے
الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"بات بہت معمولی ہے۔ اب تمہیں اس ملک سے کچھ
ملنے سے تو رہا، جیل کی ہوا ہی تمہیں کھانا پڑے گی۔ برے
کاموں کا نتیجہ اچھا نکل بھی کیسے سکتا ہے، لیکن کچھ لوگ
برے ہوتے ہوئے بھی ایک اچھا کام کر جاتے ہیں اور
لوگ ان کے اچھے کام کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ بولو، کیا
تم ایک اچھا کام کرنے کے لیے تیار ہو؟" ایک بار پھر

انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" ناصر جامی نے بے چین ہو کر کہا۔

"صرف اتنا کہ تم اس سیٹ پر یہ پیغام دو کہ تم نے ڈکٹا فون پر مہمان وزیر دفاع عالی شا اور دوسروں کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو سن لی ہے۔ اس تمام گفتگو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عالی شا یہاں دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی اشیا کے دائرے کو وسیع کرنے کے لیے آئے تھے اور بس ۔۔ اس سے زیادہ ان کے درمیان کسی موضوع پر کوئی بات چیت قطعاً نہیں ہوئی اور یہ کہ ڈکٹا فون کے سلسلے میں ہم پر شک کیا جا رہا ہے ۔۔ اس لیے کچھ عرصے تک ہم آپ لوگوں کو پیغام نہیں دے سکیں گے۔"

"لیکن اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟" ناصر جامی نے الجھ کر کہا۔

"تم اس بات کو چھوڑو ۔۔ یہ الفاظ دہرانے کے لیے تیار ہو یا نہیں؟"

"ہم، میں کچھ دیر کے لیے سوچنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، تمہیں دس منٹ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال دو کہ تم لوگ یہاں سے فرار ہو

سکتے ہو۔ اس وقت مکان میرے خاص آدمیوں کے گھیرے میں ہے، کہو تو ثبوت بھی پیش کر دوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے منہ سے تیز سیٹی کی آواز نکالی۔ فوراً ہی تہہ خانے کے اوپر بھاری قدموں کی آواز گونجی اور جواب میں بھی سیٹی گونجی۔ انسپکٹر جمشید آتے ہوئے تہہ خانے کے دروازے کے درمیان لکڑی کا ایک ٹکڑا پھنسا آئے تھے تاکہ آواز آ جا سکے۔

ناصر جامی اور اس کے ساتھیوں کے چہرے سفید پڑ گئے۔ شاید انہیں اب تک فرار ہونے کی کوئی امید تھی، لیکن جوابی سیٹی کی آواز سن کر ان کی رہی سہی امید بھی ختم ہو گئی۔ آخر ناصر جامی نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے ۔۔ میں اس ملک کے لیے آخری کام اچھا بھی کروں گا۔"

شکریہ، میں وہ الفاظ لکھ کر لے آیا ہوں، جو تمہیں سیٹ پر کہنے ہیں ۔۔ انہیں پڑھ لو ۔۔ بالکل یہی الفاظ دہرانے ہیں، لیکن یہ ہرگز معلوم نہ ہو کہ تم الفاظ پڑھ کر ادا کر رہے ہو ۔۔ کیونکہ اس سے بہرحال تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کاغذ ان کے ہاتھ سے لے لیا ۔۔ الفاظ پڑھے اور پھر بولا،

"ٹھیک ہے، تمام الفاظ صاف ہیں، میں انہیں بخوبی ادا کر سکوں گا۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ۔ کوئی لفظ تم نے غلط کہا نہیں اور گولی تمہارے سر میں داخل ہوئی نہیں۔ اور اگر بعد میں یہ ثابت ہوا کہ تم نے کوئی چالاکی کی تھی تو جیل سے نکلوا کر تمہارا حشر بہت برا کیا جائے گا۔" انہوں نے سرد آواز میں کہا۔ نہ جانے ان کے لہجے میں کیا تھا کہ ناصر جامی کانپ کر رہ گیا۔ آخر اس نے سوئچ آن کیا اور سلسلہ ملانے لگا۔ انسپکٹر جمشید کی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ دوسروں کو اپنے پستولوں کی زد میں لیے کھڑے تھے۔ تقریباً دس منٹ کی کوشش کے بعد سلسلہ مل سکا اور پھر ناصر جامی نے کہنا شروع کیا:

"ہیلو، میں نمبر ون بول رہا ہوں۔ نو سو گلاب کے پودوں کا سودا ہو چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے، ہم سن رہے ہیں، کیا رپورٹ ہے۔ حالی شاہ دراصل کیوں آیا تھا۔" دوسری طرف سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی باریک آواز آلے سے ابھری۔

"جی ہاں، وہی بیان کرنے لگا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے الفاظ پڑھنے شروع کیے، لیکن اس کے انداز سے یہ پتا نہیں

ل رہا تھا کہ وہ پڑھ کر سنا رہا ہے۔ آخر میں اس نے کہا:

"ہم ڈکٹا فون کے سلسلے میں شک کی نظر سے دیکھے جا ہے ہیں، لہذا کچھ عرصے تک سلسلہ قائم نہیں کر سکیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ جب بھی تم شک سے بری سمجھے جاؤ، رپورٹ شروع کر دینا۔ اس دوران تمہاری تنخواہ تمہیں بذریعہ رافٹ تمہارے عزیز کی طرف سے ملتی رہے گی۔"

"شکریہ۔" اس نے کہا، دوسری طرف سے آواز بند ہو گئی تو جامی نے بھی سوئچ آف کر دیا اور ان کی طرف ڑتے ہوئے بولا:

"کیا آپ مطمئن ہیں؟"

"ہاں، میرا خیال ہے، تم نے کوئی چالاکی نہیں کی۔"

"ٹھیک ہے، میں نے واقعی کوئی چالاکی نہیں کی، لیکن اگر میں چاہتا تو بہت آسانی سے انہیں یہ خبر کر سکتا تھا کہ یہ الفاظ مجھ سے زبردستی کہلوائے جا رہے ہیں۔ بس نو سو لاب کے پودوں والا جملہ ادا کیے بغیر یہ الفاظ دہرانے شروع ر دیتا اور وہ سمجھ جاتے کہ ان سے دھوکا ہو رہا ہے، لیکن آپ نہیں جانتے کہ میں نے انہیں خبردار کیوں نہیں کیا۔" وہ ہتا چلا گیا۔

"تو بتاؤ نا، کیوں نہیں کیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس لیے کہ میرا ضمیر جاگ گیا ہے — میں آج تک اپنے ملک سے غداری کرتا چلا آ رہا ہوں، آج اپنے ملک کے کام آ گیا ہوں حکومت مجھے کچھ بھی سزا دے، میرا دل اب مطمئن ہے — ویسے اگر حکومت نرم سزا تجویز کرنے کا وعدہ کرے تو میں اور میرے ساتھی زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔" ناصر جامی نے پراعتماد لہجے میں کہا —

"وہ کیسے؟" انسپکٹر جمشید چونکے —

"اس طرح کہ ہم بدستور دشمن ملک کے ایجنٹ بنے رہیں لیکن حکومت کی مرضی کے مطابق بالکل غلط رپورٹیں انہیں دیتے رہیں — اس طرح وہ ان اطلاعات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے نقصان اٹھائیں گے۔"

"بات تو ٹھیک ہے، خیر میں تمہاری تجویز افسران کے سامنے رکھوں گا — وہ مانتے ہیں یا نہیں، یہ ان کی مرضی — ہاں اس تعاون کے لیے میں یہ سفارش ضرور کروں گا کہ تمہیں نرم سزا دی جائے۔"

"شکریہ!" ناصر جامی نے کہا اور ہتھکڑیوں کے لیے ہاتھ آگے کر دیے —

انسپکٹر جمشید نے منہ سے دوسری سیٹی کی آواز نکالی — پہلے کی نسبت ذرا مختلف انداز کی تھی —

فوراً ہی اکرام اور اس کے ماتحت تہہ خانے میں اتر آئے اور ناصر جامی اور اس کے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ اس طرح یہ چھوٹا سا قافلہ واپس روانہ ہوا —

دوسرے دن محمود، فاروق اور فرزانہ پروفیسر داؤد کے گھر پہنچ گئے — پروفیسر انہیں دیکھ کر بچوں کی طرح کھل اٹھے — شائستہ فرزانہ سے لپٹ لپٹ گئی —

"جائیے انکل، ہم آپ سے نہیں بولتے۔" فرزانہ نے منہ پھلا کر کہا۔

"ارے بھئی، وہ کیوں، اور پھر میں جاؤں کہاں؟" پروفیسر ہنسے — محمود، فاروق اور شائستہ بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے —

"ہمیں شیطان کی بستی سے لوٹے اتنے دن ہو گئے اور آپ نے اب تک ہمارے کھلونے بنا کر نہیں دیے۔"

"کون کہتا ہے؟" پروفیسر بولے۔

"ہم کہتے ہیں، اگر بنائے ہوتے تو ہمیں ملے نہ ہوتے؟" محمود نے کہا۔

"تم کھلونے لینے کے لیے آئے کب؟ فون کب کیا؟" پروفیسر داؤد نے بھی آنکھیں نکالیں —

"ہائیں، تو کیا کھلونے تیار ہیں؟" فاروق خوش ہو کر بولا —

"بالکل تیار ہیں۔ تم شائستہ سے باتیں کرو۔ میں ابھی لے کر
آتا ہوں۔ انہیں آزما کر بھی دیکھتے ہیں۔" یہ کہہ کر پروفیسر داؤد
تجربہ گاہ کی طرف چلے گئے۔

"لیکن یہ تمہیں کھلونوں کا خیال کیسے آگیا؟"

"کچھ سوچ سمجھ کر ہی آیا ہے۔" فاروق بولا۔

"کیا مطلب؟" شائستہ چونکی۔

"تم تو جانتی ہو شائستہ، فاروق کی باتوں کا سرے سے
کوئی مطلب نہیں ہوتا۔" فرزانہ شوخ انداز میں مسکرائی۔

"اور کیا، مطلب کی بات تو صرف فرزانہ کر سکتی ہے۔" فاروق
نے فوراً کہا۔ دوسرے لفظوں میں وہ اسے مطلبی کہہ گیا تھا۔
فرزانہ نے جھنا کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلبی ہوگے تم خود۔"

"اب یہاں لڑنا پڑنا، پروفیسر انکل کیا خیال کریں گے"
محمود بولا۔

"یہی خیال کریں گے کہ ان کے گھر میں باکسنگ کا مقابلہ
رہا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

شائستہ ان کی باتوں پر بے اختیار ہنسے جا رہی تھی۔ اس
وقت پروفیسر آگئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک پین، ایک انگو...
اور ایک لاکٹ تھا۔ پین فاروق کو دیتے ہوئے وہ بولے،

"اسے اپنی جیب میں لگا لو۔ یہ بال پوائنٹ پین ہے۔ جب
تم اسے اوپر سے دباؤ گے، تو یہ عام بال پوائنٹ قلم کی طرح
لکھے گا، لیکن اگر اوپر سے دبانے کے بعد نچلی طرف لگا ہوا
نیلا نقطہ دبا دو گے تو اس میں سے آنکھوں کو چندھیا دینے
والی روشنی نکلے گی اور سامنے موجود لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو
جائیں گی۔ چند منٹ تک کے لیے وہ کچھ دیکھنے کے قابل
نہیں رہیں گے۔"

"بھئی واہ انکل، مزا آگیا۔" یہ کہہ کر فاروق نے پین کو
اوپر سے دبایا اور پھر نیلا نقطہ دباتے ہوئے اس کا رخ فرزانہ
کی طرف کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے چیخ نکلی
اور وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتی چلی گئی۔ پین میں سے
ایک بہت ہی تیز روشنی نکلی تھی، لیکن چونکہ اس کی سیدھ میں
صرف فرزانہ تھی، لہٰذا صرف اس کی آنکھیں خیرہ ہوئی تھیں۔

"ارے یہ کیا کیا؟" پروفیسر داؤد بوکھلا کر بولے۔

"تجربہ انکل، تجربہ۔" فاروق بولا۔

"تو فرزانہ ہی رہ گئی تھی تجربے کے لیے۔" انہوں نے
خفا ہو کر کہا۔

"اب میں یہاں اور کس پر تجربہ کرتا۔" وہ مسکرایا۔

"کوئی بات نہیں، میں تم سے سمجھ لوں گی۔" فرزانہ نے تلملاتے

ہوئے انداز میں کہا۔

"ضرور سمجھ لینا — میں جانتا ہوں — ابھرے کے علاوہ تمہیں اور کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"وہت تیرے کی۔" محمود نے جھنجھلا کر ران پر ہاتھ مارا، پھر بولا: "تم نے انکل کو کھلونے دینے کی مہلت بھی نہیں دی۔"

"یہ بھی ایک ہی رہی — میں نے انکل کو کب روکا ہے۔ فرزانہ کا کھلونا وہ مجھے دے سکتے ہیں — جب اس کی حالت معمول پر آ جائے گی تو میں اسے دے دوں گا۔ اپنا کھلونا تم لے ہی سکتے ہو۔"

"یہ لو محمود، تمہارے لیے یہ انگوٹھی ہے — اس میں ایک نوکیلا سا ابھار موجود ہے — اس نوک دار ابھار سے اگر تم کسی کی جلد پر ذرا سی بھی خراش ڈال دو گے تو اس کا جسم بالکل سن ہو جائے گا اور وہ بے ہوش ہو جائے گا۔"

"وری گڈ، یہ تو بہت ہی شاندار چیز ہے۔"

"ہاں، لیکن ایسا نہ ہو کہ وقت بے وقت یہ نوکیلا سرا تم دوسروں کو چبھو دو۔" فاروق بولا۔

"نہیں، جب تک انگوٹھی کو انگلی میں پھرایا نہیں جائے گا، اس وقت تک سرا نہیں ابھرے گا، لہذا ضرورت کے وقت تم اسے پھرا کر سرا ابھار سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا۔" محمود نے انگوٹھی انگلی میں پہنتے ہوئے کہا۔

فرزانہ ابھی تک جوں کی توں بیٹھی ہوئی تھی — وہ اسے دیکھتے رہے، آخر تین منٹ بعد وہ آنکھیں کھولنے میں کامیاب ہو سکی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

"اوہو فرزانہ، تمہاری آنکھوں سے تو خون ٹپک رہا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں، اور یہ خون تمہارے لیے ہے۔" اس نے کھا جانے والے لہجے میں کہا۔

"لیکن مجھے خون کی ضرورت کہاں ہے — میرے جسم میں تو پہلے ہی کافی خون موجود ہے۔" وہ مسکرایا۔

"فکر نہ کرو، بہت جلد کم ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ پروفیسر کی طرف مڑی۔

"لائیے انکل، میرے لیے یہ لاکٹ ہے؟"

"ہاں فرزانہ، اسے گلے میں ڈال لو — یہ بہت خوب صورت لگے گا، لیکن جب اسے ہاتھ میں پکڑ کر اس کے پچھلے حصے میں لگی ہوئی دباؤ گی تو پھر اس کا رخ جس کی طرف بھی ہو گا، اس کے پیروں تلے ایک زوردار دھماکا ہو گا اور وہ اچھل کر گرے گا — تم لوگوں کے لیے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے اتنا وقت

ہی کافی ہوگا۔"

"بہت خوب انکل۔" فرزانہ نے خوش ہو کر لاکٹ لے لیا اور گلے میں ڈال لیا۔ اسی وقت محمود نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"لیکن انکل، ہم نے تو آپ سے کچھ کھلونوں کی فرمائش کی تھی۔"

"تم اپنے انکل کو بھلکڑ کیوں خیال کرتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ مسکرائے اور جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک پین، ایک انگوٹھی اور ایک لاکٹ اور نکال لیے۔ تینوں محمود کی طرف بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"یہ آفتاب، آصف اور فرحت کے لیے ہیں۔ انہیں بھیج دیں۔"

"بہت بہت شکریہ انکل، آپ جیسا انکل دنیا میں ملنا مشکل ہے۔" فاروق بولا۔

"بس رہنے دو، خان رحمان سے بھی تم یہی کہتے رہتے ہو۔"

"اوہ ہاں، واقعی انکل۔ خیر، تو میں کہوں گا کہ آپ دونوں جیسے انکل دنیا میں ملنا مشکل ہیں۔" اور پروفیسر داؤد ہنس پڑے۔ ان کے ساتھ کافی وقت گزار کر آخر وہ واپسی کے لیے اٹھے۔ دونوں انہیں دروازے تک رخصت کرنے آئے۔ اچانک فاروق کے پیروں تلے ایک زور دار دھماکا ہوا اور وہ چیخ مار کر اچھل پڑا۔

اور پھر فرش پر گرا۔ چند سیکنڈ تک بے سدھ پڑا رہا۔ آخر آہستہ آہستہ اٹھا۔ سب لوگ ساکت کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے، یہ فرزانہ نے اس سے اپنا بدلہ لیا ہے۔ اب وہ اس کی طرف دیکھ اس لیے رہے تھے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد اس نے فرزانہ کی طرف دیکھا اور پھر بھرپور انداز میں مسکرا کر بولا۔

"بہت خوب فرزانہ، میں اگرچہ ہوشیار تھا، لیکن تم نے پھر بھی وار کرنے کا موقع نکال ہی لیا؛ بہر حال حساب برابر ہو گیا۔"

"ہاں، برابر ہو گیا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو پھر دونوں ہاتھ ملاؤ اور وعدہ کرو کہ اب یہ ہتھیار ایک دوسرے پر نہیں آزماؤ گے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں انکل۔" یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ ملائے اور آخر وہاں سے رخصت ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

"اب آفتاب وغیرہ کو یہ کھلونے کس طرح بھیجے جائیں؟" فرزانہ بولی۔

"بذریعہ پارسل، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" محمود بولا۔

"کیوں نہ ہم آئندہ ملاقات پر یہ انہیں دے دیں۔" فاروق نے کہا۔

"نہیں، پارسل کرنا ہی مناسب ہوگا ۔ اس طرح یہ ان کے کام تو آ سکیں گے ۔ ہماری ملاقات معلوم نہیں کب ہو ۔ ہو سکتا ہے، ہم کئی سال ایک دوسرے سے نہ مل سکیں ۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے ۔ خیر، پارسل ہی کر دیتے ہیں ۔"

انھوں نے دوسرے دن پارسل کرنے کا پروگرام بنایا ۔ گھر پہنچے تو شام ہو چکی تھی ۔ انسپکٹر جمشید دفتر سے آ چکے تھے اور چائے کی میز پر ان کے انتظار میں بیٹھے تھے، لیکن وہ تو پہلے ہی پروفیسر داؤد کے ہاں چائے پی چکے تھے ۔ انھوں نے اپنے کھلونوں کے بارے میں انھیں بتایا اور وہ دونوں چائے کے دوران کھلونوں کے بارے میں سننے لگے ۔

میک اپ زدہ تصاویر کے مطابق پاسپورٹ وغیرہ انھیں چند روز بعد مل گئے اور انھوں نے بیگم جمشید کو خدا حافظ کہا ۔ پہلے وہ اس غیر جانب دار ملک میں پہنچے اور وہاں سے دشمن ملک کے لیے جہاز میں سوار ہوئے ۔ ان کے حلیے غیر جانب دار ملک کے لوگوں جیسے تھے ۔ لباس اور رنگ ڈھنگ بھی انھی جیسے تھے ۔ چند دن وہاں ٹھہر کر انھوں نے ان کے بول چال اور طور طریقے اچھی طرح بھانپ لیے تھے اور اب وہ ان کی کامیاب نقل کر سکتے تھے ۔ کاغذات میں انھیں سیاح ظاہر کیا گیا تھا جو دنیا کی سیر پر نکلے ہوئے تھے ۔ انسپکٹر جمشید کے منہ میں ہر وقت ایک بڑا

سا پائپ لگا رہتا ۔ اگرچہ وہ سگریٹ اور تمباکو نوشی کبھی نہیں کرتے تھے، لیکن اس میک اپ میں انھیں پائپ منہ میں لینا پڑا ۔

دوسرے دن دوپہر گیارہ بجے وہ دشمن کے ہوائی اڈے پر جہاز سے اُترے ۔ ان کے سامان اور کاغذات کو اچھی طرح چیک کیا گیا ۔ لیکن وہ تو کوئی ایسی چیز لے کر ہی نہیں چلے تھے، جسے شک کی نظر سے دیکھا جاتا ۔ انسپکٹر اپنا پستول تک ساتھ نہیں لائے تھے ۔ پستول ساتھ نہ لینے پر جب فرزانہ نے پریشانی ظاہر کی تھی تو انھوں نے مسکرا کر کہا تھا :

"مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی ۔"

البتہ روانہ ہونے سے پہلے انھوں نے اپنے نئے کھلونے ضرور ساتھ لے لیے تھے ۔ آفتاب، آصف اور فرحت کو وہ کھلونے پارسل کر چکے تھے ۔ کسی نے فاروق کے بال پوائنٹ پین، محمود کی انگوٹھی اور فرزانہ کے لاکٹ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا، کیونکہ یہ چیزیں بہت ہی عام چیزیں تھیں اور ہر آدمی کے پاس ہوتی ہیں؛ تاہم فرزانہ اب بھی فکرمند تھی کہ ان کے والد کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے اور یہ دشمن ملک تھا ۔ یہاں قدم قدم پر ان کی زندگیوں کو خطرہ تھا ۔

چیکنگ کے بعد وہ باہر نکلے تو دو تین ٹیکسی والے ان کی طرف لپکے ۔ ان کے علاوہ اور بھی تین آدمی بڑھے ۔

"ہوٹل ڈان مسر — بہترین سروس۔" ایک بولا۔

"ہوٹل شمارا — آپ کو گھر سے زیادہ آرام ملے گا۔"

"آرام دہ گھر آپ کے لیے حاضر ہے — ہوٹلوں میں وہ آرام کہاں جو گھر میں مل سکتا ہے — ایک بار آزما کر دیکھیے۔" تیسرا آدمی بولا — انسپکٹر جمشید اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ٹھیک ہے، ہم آپ کے ساتھ چلیں گے، اگر گھر پسند آ گئی تو ضرور کرائے پر لے لیں گے؛ ورنہ کسی ہوٹل کا رخ کریں گے۔"

"تو پھر آئیے — مسٹر تام، ٹیکسی لے آؤ۔" اس آدمی نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ ڈرائیور تیزی سے مڑ گیا۔

"آپ کا نام؟" انسپکٹر جمشید نے اس سے پوچھا۔

"مجھے راکیل کہتے ہیں — میرے پاس تین خوب صورت گھر ہیں، جو میں سیاحوں کو کرائے پر دیتا ہوں — اس وقت دو گھر کرائے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ تیسرے کے لیے کرائے داروں کی ضرورت تھی، اس لیے یہاں موجود تھا — اب جب تک تینوں گھر کرائے پر چڑھے رہیں گے — میں ہوائی اڈے کی شکل بھی نہیں دیکھوں گا — جوں ہی کوئی گھر خالی ہوگا، پھر یہاں آ جاؤں گا۔"

"بہت خوب، اگر گھر پسند آ گیا اور کرایہ بھی مناسب ہوا تو ضرور لے لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے امید ہے، ایسا ہی ہوگا۔"

آدھ گھنٹے بعد ٹیکسی ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے رکی — راکیل نے انہیں ٹیکسی کا بل ادا کرنے کا اشارہ کیا — وہ ہر طرح تیار ہو کر آئے تھے، لہٰذا یہاں کی کرنسی بھاری مقدار میں ان کے پاس تھی۔ انہوں نے بل چکایا اور گھر میں داخل ہوئے —

یہ واقعی خوب صورت گھر تھا — دو کمرے تھے، ایک صحن، ایک گیراج، غسل خانہ اور دوسری تمام ضرورت کی چیزوں سے آراستہ تھا۔ انہوں نے کرایہ طے کیا اور ایک ماہ کے لیے اسے کرائے پر لے لیا۔ راکیل نے رجسٹر کھولتے ہوئے کہا —

"آپ کے نام؟"

"میرا نام راحل ہے۔ یہ ٹونی، پاشا اور گرین ہیں۔"

اس نے نام درج کرکے رجسٹر بند کیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی — اس نے چونک کر رجسٹر اٹھایا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا:

"راکیل بول رہا ہوں۔" پھر خاموش ہو کر دوسری طرف کی گفتگو سننے لگا — چند سیکنڈ بعد بولا —

"جی ہاں، بہت بہتر۔" اور ریسیور رکھ دیا۔

انہوں نے دیکھا، وہ کافی پریشان دکھائی دے رہا تھا —

چھوٹے قد کا آدمی

"خیر تو ہے مسٹر مائیکل، آپ بہت پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔"

"ہاں، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ اس شخص کا جب بھی فون آتا ہے، میرے لیے پریشانی لاتا ہے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب، میں سمجھا نہیں۔" وہ بولے۔

"فون مسٹر الوناکا کا تھا۔ اس ملک کا خوف ناک ترین آدمی۔" اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"خوف ناک ترین آدمی، کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"اس ملک میں جتنے بھی غیر ملکی داخل ہوتے ہیں، ان کے نام حلیے وغیرہ فوری طور پر الوناکا کو لکھ کر بھیج دیے جاتے ہیں۔ یہ شخص اپنے دفتر میں ان ناموں اور حلیوں کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی مشکوک تو نہیں۔ اس

چھٹی حس اُسے بتا دیتی ہے کہ فلاں فلاں آدمی مشکوک ہے۔ بس یہ انہیں چیک کرنے نکل کھڑا ہوتا ہے۔"

"تب پھر۔ آپ کیوں پریشان ہیں۔"

اس نے ابھی ابھی فون پر مجھ سے پوچھا تھا کہ ان ناموں کے غیر ملکی کیا میں اپنے گھر میں ٹھہرانے کے لیے لایا ہوں۔ اس نے یہی نام لیے تھے جو آپ نے لکھوائے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ ہاں؛ چنانچہ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو چھوڑ کر یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں، جب تک کہ وہ نہیں پہنچ جاتا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"آپ کی ساری گفت گو سننے کے بعد بھی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس میں آپ کے لیے پریشانی کی کیا بات ہے۔" انسپکٹر جمشید اسے بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

"اب اگر آپ غلط آدمی ثابت ہو گئے تو الوناکا مجھے بھی شک کی نظروں سے دیکھنے لگے گا۔ اور اس کا یہ شک میرے لیے مصیبت بن جائے گا۔ نہ جانے میں کب تک شک کی زد میں رہوں۔ اس کا شک دور ہونے کے بارے میں مجھے کبھی پتا نہیں چل سکے گا، کیونکہ وہ کسی کو یہ اطلاع نہیں دیتا کہ تم پر سے شک ختم ہو گیا ہے۔"

"ہوں، لیکن آپ فکر نہ کریں۔ ہم غلط آدمی نہیں ہیں۔"

ہم صرف سیاح رہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا، کیونکہ انہوں نے میک اپ نہایت احتیاط سے کیا تھا اور کوئی ایسی چیز استعمال نہیں کی تھی جو آسانی سے اُتر جائے۔ آلات کی مدد سے بھی یہ پتا لگانا بہت مشکل تھا کہ وہ میک اپ میں ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک غیر ملکی میک اپ کے ماہر سے مشورے لیے تھے، لہذا انہیں اطمینان تھا کہ انہیں شک کی نظر سے اس وقت تک نہیں دیکھا جا سکے گا، جب تک کہ ان سے کوئی غلط حرکت نہ سرزد ہو جائے۔

"کاش، ایسا ہی ہو۔"

"اگر یہ اتنا ہی پریشان کن کام ہے تو آپ سیاحوں کو اپنے گھر میں ٹھہراتے ہی کیوں ہیں؟ تینوں گھروں کو مقامی لوگوں کو کیوں کرائے پر نہیں دے دیتے۔" انہوں نے پوچھا۔

"مقامی لوگ ایک بار جس مکان میں آ جائیں، پھر اس سے نکلتے نہیں، صرف کرایہ دیتے رہتے ہیں۔ ایک طرح سے مکان ان کا ملکیہ ان کے باپ دادا کا بن جاتا ہے۔ ان پر مقدمہ کر کے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے آپ کے ساتھ آ کر غلطی کی۔ اب ہم غیر ضروری الجھنیں مول لے لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ کا خیال غلط ہے۔ اگر آپ کسی ہوٹل میں جا کر ٹھہرتے تو ہوٹل کی انتظامیہ کو بھی ایسا ہی فون موصول ہوتا۔" اس نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ جب الفورا کا یا اس کے آدمیوں کو معلوم ہے کہ فلاں فلاں آدمی، فلاں فلاں ملک سے آئے ہیں تو پھر آپ پر شک کس طرح کیا جا سکتا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں بتاتا ہوں، آج کل الفورا ایک وہم کا شکار ہو گیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ملک میں، خاص طور پر دارالحکومت یعنی اس شہر میں غیر ملکی جاسوس بڑی تعداد میں داخل ہوئے ہیں۔ ان جاسوسوں کا پہلے ہی یہاں کوئی نہ کوئی واقف ہوتا ہے۔ یعنی وہ یہاں پہلے سے موجود کسی جاسوس کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ اب اگر کسی آدمی کو میں اپنے گھر میں ٹھہراؤں تو وہ یہ شک ضرور کرے گا، کہیں میں ایسا آدمی تو نہیں، جو یہاں پہلے سے ہی دوسرے ملک کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔"

"میں سمجھ گیا، خیر آپ فکر نہ کریں۔ ہم غیر ملکی جاسوس ثابت نہیں ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا، لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کا مارے فکر کے برا حال تھا۔

"یہی تو مشکل ہے، آپ الوراکا کو نہیں جانتے، جس پر اُسے ایک بار شک ہو جائے تو وہ اس کا پیچھا کرنا کبھی ختم نہیں کرتا۔ یا تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جس کا پیچھا وہ کر رہا ہے، وہ واقعی غیر ملکی جاسوس ہے یا پھر وہ فرار ہو جانے کی کوشش میں مارا جاتا ہے۔ ایسے لوگ اس زندگی سے تنگ آ کر فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔"

"چاہے وہ بے گناہ ہی کیوں نہ ہوں؟"

"ہاں!" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"پھر تو ہمیں آپ کی خاطر یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"اب یہ بھی ممکن نہیں۔۔۔ وہ یہی خیال کرے گا کہ میں نے آپ لوگوں کو بھگا دیا۔" اس نے مردہ آواز حلق سے نکالی۔

"اور اگر ہم آپ کو باندھ کر یہاں سے بھاگ جائیں، کیا اس طرح آپ پریشانی سے بچ سکتے ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"شاید آپ اس طرح بچ جائیں، مگر الوراکا اسے ڈراما خیال کرے گا۔۔۔ وہ زمانے بھر سے زیادہ شکی مزاج واقع ہوا ہے۔ آپ اسے نہیں جانتے۔" ایکیل کی آواز میں لرزش تھی۔

"پھر آپ ہی بتائیے، ہم آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"کچھ بھی نہیں، آپ میرے لیے تو کیا، اپنے لیے بھی کچھ نہیں

کر سکتے۔۔۔ اب صرف دو باتیں ہوں گی، یا تو آپ کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے یا اس کے آدمیوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے یا پھر کسی طرح بالکل بے گناہ ثابت ہو جائیں۔ لیکن تیسری صورت کا امکان صرف ایک فی صد ہے۔"

"گویا ہمارے ساتھ آپ بھی پھنس گئے۔" فاروق نے پریشان آواز میں کہا۔

"ہاں، لیکن میں اس حد تک نہیں پھنسا۔۔۔ الوراکا اس بات کا بخوبی جائزہ لے گا کہ آپ لوگوں کا مجھ سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔۔۔ اگر وہ کوئی تعلق ثابت نہ کر سکا تو پھر مجھے کچھ نہیں کہہ سکے گا، لیکن آپ لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

"ہوں، اس کا مطلب ہے، ہم ہر طرح ایک بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔"

"اف میرے خدا، ہم اس ملک میں سیاحی کرنے کیوں آگئے۔ اگر ہمیں یہ حالات معلوم ہوتے تو ہرگز نہ آتے۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں، اب تو آپ آ گئے۔ مجھے حیرت صرف اس پر ہے کہ اسے آپ لوگوں پر شک کیوں ہو گیا۔۔۔ آپ لوگ تو بہت نیک اور بھلے مانس دکھائی دیتے ہیں۔"

"دراصل ہم ہیں بھی نیک اور بھلے مانس — صرف دکھائی دینے کی حد تک ہی نیک نہیں ہیں۔" فاروق مسکرایا —

"ضرور یہی بات ہوگی، لیکن اس شیطان....."

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی — راکیل کے منہ سے خوفزدہ آواز میں نکلا:

"لیجیے، وہ آگیا۔"

○

انہوں نے چونک کر بند دروازے کی طرف دیکھا — راکیل نے اٹھتے ہوئے کہا:

"مہربانی فرما کر آپ لوگ پورے اطمینان سے بیٹھے رہیے گا — ذرا بھی گھبراہٹ آپ کے چہروں سے ظاہر نہ ہو؛ ورنہ انوراکا کا شک پختہ ہونے لگے گا — اگر اس نے آپ کو بے خوف پایا اور آپ کے چہرے میک اپ میں بھی نہ ہوئے تو پھر آپ بہت سی پریشانیوں سے بچ جائیں گے — پھر آپ لوگوں کی نگرانی تو ضرور ہوگی، لیکن اتنی سخت نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ — ہم آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے —

یہ سن کر راکیل دروازے کی طرف چلا گیا —

"ابا جان، یہ انوراکا تو واقعی شیطان معلوم ہوتا ہے، ادھر راکیل کے منہ سے شیطان نکلا، ادھر دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔" فاروق نے اس کے جانے کے بعد دبی آواز میں کہا —

"ہوں۔" وہ مسکرائے، پھر دبی آواز میں بولے، "دیکھو، ہمارے میک اپ آسانی سے معلوم نہیں کیے جا سکتے — تم بے فکر ہو کر بیٹھے رہنا — یہ لوگ ہمارے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات معلوم نہیں کر سکیں گے — بس تم خوف زدہ نظر نہ آنا۔"

"آپ فکر نہ کریں — آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" محمود بولا —

"میرے ہوتے ہوئے نہیں — اللہ تعالیٰ کی مدد کے ہوتے ہوئے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے —

"اوہ ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"ویسے ابا جان، کیا آپ یہاں آنے سے پہلے انوراکا کے بارے میں بھی معلوم کر چکے ہیں؟" فرزانہ نے سوال کیا —

"نہیں، میں نے یہ کام نہیں کیا۔"

"اور اگر اس انوراکا صاحب نے غیر جانب دار ملک میں ہمارے بارے میں چھان بین کرائی؟" فرزانہ نے فکر مندانہ انداز

میں پوچھا۔

"ہاں، اس امکان کا میں پہلے ہی جائزہ لے چکا ہوں۔ اس ملک میں ہمارے بہت سے آدمی ہیں اور وہ اس ملک کے ذمے دار لوگوں کی نظروں میں با اعتماد ہیں۔ ہمارے بارے میں جب انوراکا وہاں چھان بین کرائے گا تو ہمارے بارے میں ہمارے انہی آدمیوں سے معلوم کرکے انوراکا کو رپورٹ بھیجی جائے گی۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اوہ، پھر تو ٹھیک ہے۔" فرزانہ نے سکون کا سانس لیا۔

"میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی ہیں۔" فاروق نے گویا اعلان کیا۔

"اس پر قابو رکھو۔ کہیں انوراکا کو کوئی شک نہ ہو جائے۔"

"انوراکا ۔۔۔ عجیب سا نام ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"وہ خود بھی کم عجیب نہیں ہوگا۔ کیا یہ بات کچھ کم عجیب ہے کہ وہ صرف نام پڑھ کر اور چلیے جان کر کسی کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ضرور اس شخص کا دماغ شیطانی دماغ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"حیرت ہے، راکیل اب تک اسے لے کر پہنچی نہیں۔"

"انوراکا گھر کے ارد گرد اپنے آدمی مقرر کر رہا ہوگا تاکہ ہم فرار ہونے کی کوشش کریں تو اس کوشش کو ناکام بنا

دیا جائے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اسی وقت انہوں نے بھاری قدموں کی آواز کمرے کی طرف آتے سنی ۔۔۔ وہ پُرسکون انداز میں بیٹھ گئے ۔۔۔ دوسرے ہی لمحے ایک چھوٹے سے قد کا بالکل دبلا پتلا آدمی اندر داخل ہوا ۔۔۔ اس کے پیچھے لمبے چوڑے قد والے چار آدمی آئے اور ان کے پیچھے راکیل ۔۔۔ چھوٹے قد کا آدمی دروازے سے چند قدم اندر آ کر ٹھہر گیا ۔۔۔ اس کی نظریں ان پر جیسے گڑ سی گئیں ۔۔۔ انہوں نے محسوس کیا، اس کی نظریں چھید کرتی ہوئیں ان کے جسموں میں اترتی جا رہی ہیں ۔۔۔ اگر یہ صورت حال کچھ دیر اور جاری رہتی تو کم از کم محمود، فاروق اور فرزانہ پر ضرور بوکھلاہٹ طاری ہو جاتی ۔۔۔ یہ بات محسوس کرتے ہوئے انسپکٹر جمشید شگفتہ انداز میں بولے:

"کیا ہم مسٹر انوراکا سے ملاقات کا شرف حاصل کر رہے ہیں؟"

"اوہ ہاں۔" انوراکا جیسے چونک کر بولا، پھر مسکرا کر آگے بڑھا ۔۔۔ اس نے ان سے ہاتھ ملایا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا ۔۔۔ اس کے چاروں ساتھی اور راکیل بدستور کھڑے رہے، حالانکہ کمرے میں بیٹھنے کے لیے اور کرسیاں موجود تھیں۔

"تو آپ لوگ روحبالہ سے آئے ہیں۔" اس نے سرسری

انداز میں کہا۔

"ہاں۔"

"اس ملک سے ہمارے ملک کے تعلقات کافی خوشگوار ہیں۔ آپ سیاح ہیں؟"

"جی ہاں، آپ کے ملک کے تاریخی اور اہم مقامات کی سیر کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ اگر آپ کو ہماری آمد کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک ہے تو ہم اسی وقت واپس جانے کے لیے تیار ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک ہم آپ کے ملک کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے ہیں۔"

"مسٹر راکیل، تم نے اچھا کیا کہ میرے بارے میں انہیں بتا دیا۔" وہ راکیل کی طرف مڑا۔ لیکن لہجہ ناخوش گوار نہیں تھا۔

"سر، میں نے مناسب خیال کیا تھا کہ ان لوگوں کو آپ کے مقام اور مرتبے سے خبردار کر دوں، تاکہ یہ کوئی ایسی ویسی بات نہ کر بیٹھیں۔"

"ٹھیک، بالکل ٹھیک۔ راکیل تمہیں یاد ہوگا۔ ایک بار پہلے بھی تمہارے ایک گھر میں کچھ لوگ آ کر ٹھہرے تھے۔ میں نے ان کے نام اور حلیے پڑھ کر یہ خیال کیا تھا کہ وہ غیر ملکی جاسوس ہیں؛ چنانچہ آ کر انہیں چیک کیا تھا اور آخر کار وہ لوگ جاسوس ثابت ہو گئے تھے۔"

"یس سر، مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے۔" راکیل نے کانپ کر کہا۔

"تمہیں یہ بھی یاد ہے نا کہ ان لوگوں کا انجام کتنا بھیانک ہوا تھا۔"

"یس سر، آپ کے شکاری کتے، جو انسانی خون کے پیاسے ہیں، ان پر چھوڑ دیے گئے تھے۔" راکیل نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"ٹھیک، تمہاری یادداشت قابلِ تعریف ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں بھی اُن دنوں پوری طرح چھان بین کرائی تھی اور تم ان سے بالکل الگ تھلگ ثابت ہوئے تھے، لہٰذا آج بھی یہاں نظر آ رہے ہو؛ ورنہ تم بھی ان کتوں کی خوراک بن چکے ہوتے۔"

"میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں، سر۔"

"ہوں، لہٰذا میں یہ چاہتا تھا کہ اگر تم ان کتوں کی خوراک بننے سے بچنا چاہتے ہو تو ان لوگوں کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دو۔"

"میں ایک گھنٹہ پہلے ایئرپورٹ پر موجود تھا اور وہاں میں نے انہیں زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے، پہلی بار گفتگو کی ہے۔ اس میں ایک فی صد بھی جھوٹ نہیں ہے۔"

"نہ جانے کیوں مجھے تمہاری بات پر پورا یقین ہے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے چاروں آدمیوں کی طرف مڑے بغیر ان سے بولا :

"ان کی اور ان کے سامان کی تلاشی لو۔"

"او کے سر۔" چاروں نے ایک ساتھ کہا اور ان کی طرف بڑھے۔ پہلے ان کی جیبوں وغیرہ کی تلاشی اچھی طرح لی گئی۔ پھر ان کے سامان کی ایک ایک چیز کو بغور دیکھا گیا۔ لیکن انسپکٹر جمشید تو پہلے ہی بہت سوچ سمجھ کر چیزیں لائے تھے۔ ان کے سامان میں وہ تمام چیزیں موجود تھیں جو سیاحوں کے لیے ضروری ہوتی ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو انہیں جاسوس ظاہر کر سکتی۔

"کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے سر۔"

"ہوں، اس لڑکی کا لاکٹ بہت خوب صورت ہے۔ ذرا میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے اپنی چھڑی ران پر مارتے ہوئے کہا۔

ان کے دل اچانک زور سے دھڑکے۔ یہ کس قدر عجیب بات تھی کہ انورا کا اس لاکٹ میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اب اگر اسے لاکٹ کی حقیقت کا پتا چل جاتا تو وہ مارے گئے تھے۔

"یہ لاکٹ واقعی خوب صورت ہے۔ میرے ایک دوست نے میری بچی کو تحفے میں دیا تھا۔ دکھاؤ فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید نے اب بھی کوئی پریشانی ظاہر نہ ہونے دی۔ فرزانہ کے چہرے پر البتہ ایک رنگ آ کر گزر گیا؛ تاہم اس نے فوری طور پر اپنے چہرے پر شرم کے آثار طاری کر لیے، جیسے اس کے لاکٹ کی پسندیدگی پر اسے شرم آنے لگی ہو، پھر اس نے لاکٹ اتار کر انورا کا کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لاکٹ لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"حیرت ہے، یہ نہ سونے کا ہے نہ چاندی کا، پھر آخر یہ کس دھات کا ہے۔" انورا کا کے منہ سے نکلا۔

"یہ شاید چند دھاتوں کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لاکٹ آپ کی دلچسپی کا سبب بن جائے گا تو اس کے بارے میں پوری تفصیل معلوم کرتا۔"

فرزانہ ڈر رہی تھی کہ کہیں انورا کا لاکٹ کی سوئی کو نہ دیکھ لے۔ پروفیسر داؤد نے عقل مندی یہ کی تھی کہ سوئی کو لاکٹ کے ایک موڑ کے رخ بنایا تھا۔ آسانی سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ آخر انورا کا نے لاکٹ واپس فرزانہ کی طرف بڑھا دیا۔ اور بولا :

"واقعی خوب صورت لاکٹ ہے۔ معاف کیجیے گا۔ آپ

لوگوں کو بلاوجہ تکلیف دی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر
کمرے سے نکلا اور چلا گیا۔ اس کے پیچھے اس کے چاروں
ساتھی بھی چلے گئے۔

"شکر ہے مالک کا۔" راکیل نے سکھ کا سانس بھرا۔

"کیا آپ کے خیال میں اب انوراکا ہماری نگرانی نہیں
کرائے گا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نگرانی تو بدستور جاری رہے گی۔ جوں ہی اسے کوئی شبہ
ہوا، وہ آپ لوگوں کو پکڑ بلوائے گا اور چہروں کا معائنہ
اپنے ماہروں کے ذریعے سے کرائے گا۔"

"ان حالات میں ہم سیاحت کس طرح کریں گے۔" فرزانہ
کے لہجے میں مایوسی جھلک اٹھی۔

"یوں آپ پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ آپ کہیں بھی
جا سکتے ہیں۔ بس انوراکا کے آدمی کسی ایسے موقعے کی تلاش
میں رہیں گے جب آپ لوگوں پر انہیں کوئی شک ہو جائے۔"

"اور اگر ایسا کوئی موقع نہ آئے۔" انسپکٹر جمشید نے
سوال کیا۔

"جب تک آپ واپس نہیں چلے جائیں گے، نگرانی جاری
رہے گی۔"

"ہوں!" انہوں نے کہا اور سوچ میں گم ہو گئے۔ شاید وہ

سوچ رہے تھے کہ ان حالات میں وہ خفیہ کیمپ کس طرح تلاش
کر سکیں گے۔

"اور اگر آپ کے واپس جانے تک انوراکا کوئی بات
آپ کے خلاف ثابت نہ کر سکا تو وہ اپنی ملازمت سے
استعفیٰ دے دے گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"یہ اس کا اعلان ہے کہ جب بھی اس کی چھٹی حس
نے اسے دھوکا دیا، وہ ملازمت چھوڑ دے گا۔"

یہ کہہ کر راکیل تو رخصت ہو گیا اور وہ گہری سوچ
میں گم ہو گئے۔ ادھر انوراکا نے باہر نکل کر اپنے آدمیوں کو
ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے ان لوگوں پر شک ہے اور رہے گا۔ سائے کی
طرح ان کے ساتھ لگے رہو۔ اگر تم ان کے خلاف کوئی بات
معلوم نہ کر سکے تو میرے ساتھ تمہیں بھی اپنی ملازمت سے
ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ کیونکہ میں خود ملازمت چھوڑنے سے
پہلے تمہیں ملازمت سے نکال دوں گا۔ یہ بھی سن لو کہ یہ
لوگ مجھے حد درجے چالاک نظر آتے ہیں۔ ان کے خلاف
کچھ ثابت کرنا بہت ہی مشکل کام ثابت ہو گا۔ یوں سمجھو کہ
تمہیں اس بار ایک بہت مشکل کام کرنے کو ملا ہے۔ اب دیکھنا

یہ ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوتے ہیں یا ناکام۔ تم یہ بھی جانتے ہو، بغیر ثبوت کے میں کسی کو پکڑنا پسند نہیں کرتا ۔"

اس کے الفاظ انتہائی سرد تھے ۔ اس کے چاروں ماتحتوں نے اپنے جسموں میں سردی کی لہریں دوڑتی محسوس کیں ۔

موچ

" ان حالات میں ہم کیا کر سکیں گے ابا جان " فرزانہ نے سہراتی آواز میں کہا ۔

" پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں جو کام سونپا گیا ہے، اسے ہر حال میں انجام دینا ہے، کیونکہ یہ ہمارے ایک دوست ملک کا مسئلہ ہے اور اس نے کسی بھروسے پر ہی ہمیں اس کام کے لیے منتخب کیا ہے، اگر ہم ناکام لوٹے تو ان کے بھروسے کو ٹھیس پہنچے گی اور ہم بھی ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکیں گے ۔ حکومت کو بھی شرمندہ ہونا پڑے گا، لہٰذا کام تو ہمیں ہر صورت میں کرنا ہے ۔ ہمیں صرف اتنا ہی تو کرنا ہے، کہ کیمپ کا سراغ لگا لیں اور بس ۔ دوسری بات یہ کہ ان حالات میں ہم کیا کر سکیں گے تو ابھی میں کچھ سوچ نہیں سکا، ہم وقت اور حالات کے مطابق کام کریں گے ۔ سب سے پہلے تو ہم یہاں کے "تاریخی مقامات دیکھنے کے سلسلے میں ایک

گائیڈ کی خدمات حاصل کریں گے اور اس کے ذریعے معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں گے ۔ لیکن یہ غیر محسوس طور پر ہوگا ، کیونکہ صاف ظاہر ہے ۔ انوراکا اسے بھی بلوا کر سوالات کرے گا اور گائیڈ اسے سب کچھ صاف صاف بتاتے گا ۔"

" ہوں ، لیکن ابا جان ، اگر یہ لوگ سائے کی طرح ساتھ لگے رہے تو ہم اس خفیہ کیمپ تک کس طرح پہنچ سکیں گے ۔ یا اس کا پتا کس طرح لگا سکیں گے ، جب کہ یہ ان کا ملک ہے اور کوئی ٹیکسی ڈرائیور بھی انوراکا کے آدمیوں کو چکمہ دینا پسند نہیں کرے گا ۔" محمود نے اعتراض کیا ۔

" ہاں ، یہ ٹھیک ہے ، لیکن ہماری ٹانگیں تو انوراکا کے آدمیوں کو چکمہ دے سکتی ہیں ۔ ہم اپنی عقل سے تو کام لے سکتے ہیں ۔"

" خیر ، اب سب سے پہلے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں ۔"

" ایک گائیڈ سے ملاقات ۔ اس کے لیے پہلے میں راکیل سے بات کرتا ہوں ، وہ اب تک اپنے گھر پہنچ گیا ہوگا ۔"

راکیل نے انہیں اپنا فون نمبر دیا تھا ۔ انہوں نے نمبر گھمائے ۔ جلد ہی دوسری طرف سے ایک عورت کی آواز سنائی دی ۔ وہ کہہ رہی تھی :

" میں مسز راکیل بول رہی ہوں ۔ آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں اور نام کیا ہے آپ کا ؟"

" مجھے راحل کہتے ہیں ۔ میں مسٹر راکیل کا نیا کرایہ دار ہوں ، انہی سے بات کروں گا ۔"

" اچھا ، ہولڈ کیجیے ۔" دوسری طرف سے کہا گیا ۔

پھر ریسیور رکھنے کی آواز سنائی دی ۔ جلد ہی راکیل کی آواز آئی :

" ہیلو مسٹر راحل ، خیر تو ہے ۔ ابھی ابھی تو میں آپ کے پاس سے آیا ہوں ۔"

" جی ہاں ، اس وقت خیال نہیں رہا ۔ دراصل ہمیں ایک گائیڈ کی ضرورت ہے جو ہمیں شہر کے تاریخی اور دوسرے اہم مقامات دکھا سکے ، یعنی سارے شہر کی سیر کرا سکے ۔"

" بہتر ہے ، میں انتظام کیے دیتا ہوں ۔ ویسے گھر کی کسی الماری میں ایک چھوٹی سی کتاب موجود ہوگی ۔ اس میں پورے شہر کا نقشہ اور مقامات کی تفصیل دی ہوئی ہے ۔ اس کتاب سے بھی آپ کو مدد ملے گی ۔ ویسے میں گائیڈ بھی بھیج دیتا ہوں ، کیا آپ آج ہی سیر کے لیے نکلنے کا پروگرام بنا رہے ہیں ۔ آج آرام نہیں کریں گے ؟"

" ہم صرف رات کے وقت آرام کرتے ہیں ، دن کے وقت

کام کرتے ہیں اور سیاحت کے لیے نکلے ہیں تو یہ بھی ایک کام
ہے۔"

"اچھی بات ہے — ایک گھنٹے تک گائیڈ پہنچ جائے گا۔
میرا ایک گائیڈ اچھا واقف ہے۔ اگر وہ مل گیا تو آپ کے
لیے بہت مناسب رہے گا۔ معاوضہ وغیرہ آپ اس سے خود
طے کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر راڈیکل۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور
رکھ دیا۔

"ابا جان، مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔" فرزانہ نے
سرگوشی کی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آیا تو — ورنہ میں تو یہ خیال کر رہا
تھا، آج فرزانہ کا دماغ بھی سو گیا ہے۔" فاروق گنگنایا۔

"جلدی بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے فاروق کی طرف توجہ دیے
بغیر کہا۔

"یہاں ہمارے جاسوس بھی تو ہوں گے — آپ ان میں سے
کسی سے رابطہ قائم کیوں نہیں کرتے۔"

"پروگرام تو یہی تھا، لیکن اب اگر میں نے اپنے ملک کے
کسی جاسوس سے رابطہ قائم کیا تو وہ بھی الوانا کی نظروں میں
آ جائے گا۔ اس لیے میں خود رابطہ قائم نہیں کروں گا — ہاں

اتفاق سے کہیں کوئی نظر آ گیا تو ملاقات کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں
ہوگا، لیکن یہ ملاقات بھی سرسری ہوگی، جیسے کوئی کسی سے راستہ
پوچھ لیتا ہے۔"

"گویا ہم بہت خوف ناک حالات میں گھر گئے ہیں۔"

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔" انھوں نے کہا، پھر
چونک کر بولے:

"ارے ہاں، ذرا وہ کتاب تو تلاش کرو۔"

"کون سی کتاب؟" محمود چونک کر بولا اور انسپکٹر جمشید مسکرا
اٹھے — انہیں بھلا کتاب کے بارے میں کہاں معلوم تھا — راڈیکل
نے تو انہیں فون پر بتایا تھا۔ اب انھوں نے بتایا تو تینوں اٹھ
کھڑے ہوئے — کتاب پہلی الماری کھولنے پر ہی مل گئی اور وہ
مل کر اسے پڑھنے لگے۔

ایک گھنٹے سے کچھ پہلے ہی دروازے کی گھنٹی بجی۔

"شاید گائیڈ آ گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود نے اٹھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ انھوں نے اسے
ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور خود اٹھ کر دروازے کی طرف
بڑھے — دروازہ کھولنے پر ایک لمبے قد کا آدمی نظر آیا۔ اس
کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ تھی۔

"کیا آپ گائیڈ ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی ہاں، مجھے مسٹر راکیل نے بھیجا ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ کا نام ؟"

"مجھے ٹامور کہتے ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اندر تشریف لے آیئے۔"

دونوں اندر داخل ہوئے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ٹامور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ریسیور اٹھا کر بات کرنے لگے۔:

"ہیلو، راکیل بول رہا ہے۔ کیا گائیڈ پہنچ گیا ہے۔"

"جی ہاں، مسٹر ٹامور ابھی پہنچے ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے کہا اور راکیل نے فون بند کر دیا۔

"مسٹر راکیل کا فون تھا۔" انہوں نے ریسیور رکھتے ہوئے ٹامور سے کہا، پھر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے:

"آپ اپنی شرائط بتایئے۔ ہم سارے شہر کی سیر کریں گے۔"

"سو روپے روزانہ میری فیس ہوگی۔ صبح نو بجے سے شام پانچ بجے تک سیر کراؤں گا۔ دوپہر کا کھانا بھی مجھے آپ کھلائیں گے۔ سیر کے مقامات پر آپ جتنا جی چاہے وقت لگا سکتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، ہمیں منظور ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں کسی اچھے سے ہوٹل لے چلیے، تاکہ ہم کھانا کھا لیں۔ بہت بھوک

لگی ہے۔ اس کے بعد ہم سیر کے لیے چلیں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے، پھر بولا:

"آپ کچھ دنوں کے لیے کار کیوں کرائے پر نہیں لے لیتے۔"

"اوہ ہاں، یہ مناسب رہے گا۔ کیا آپ اس کام میں ہماری مدد کریں گے۔"

"کیوں نہیں، ابھی چل کر کار حاصل کر لیتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر چلیے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

کار حاصل کرنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ٹامور کی شاید شہر میں بہت واقفیت تھی۔ اس کی شکل دیکھتے ہی ایجنسی نے کار ان کے حوالے کر دی؛ البتہ ایک ہفتے کا کرایہ ضرور ان سے وصول کر لیا تھا۔ کار میں بیٹھ کر وہ ایک ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ ٹامور کار چلا رہا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا، وہ ایک اچھا ڈرائیور ہے۔ جس ہوٹل میں وہ انہیں لایا، اس کا نام ہوٹل پیراڈائز تھا۔ کھانے کا ہال کچھا کھچ بھرا ہوا تھا، تاہم انہیں ٹامور کی کوشش سے ایک سیٹ مل ہی گئی۔

"آپ کی تو ہر جگہ رسائی ہے۔"

"بیس سال پرانا گائیڈ ہوں۔ سب لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ بولا۔

کھانے کے دوران انسپکٹر جمشید نے کئی بار پورے ہال میں موجود لوگوں پر نظریں دوڑائیں۔ آخر وہ فارغ ہوئے اور باہر نکل پڑے۔

"یہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں کہ پہلے دن آپ کیا دکھانا پسند کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو پھر پرانا قلعہ بہتر رہے گا۔" تامور نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

تامور نے کار ایک سڑک پر موڑ دی اور اسے پوری رفتار پر چھوڑ دیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی بے چین نظریں عقب نما آئینے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے بے شمار کاریں تھیں، لہٰذا یہ اندازہ لگانا از حد مشکل تھا کہ کوئی کار ان کا تعاقب کر رہی ہے یا نہیں۔ گھر سے نکلنے پر بھی انہیں یہی پریشانی ہوئی تھی اور ابھی تک وہ یہ اندازہ نہیں لگا پائے تھے کہ الورالا کے آدمی تعاقب کر رہے ہیں یا نہیں۔ یوں تو انہیں یقین تھا کہ تعاقب ضرور ہو رہا ہوگا۔ پھر جوں ہی ان کی کار شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑی۔ ان کے پیچھے صرف دو تین کاریں رہ گئیں۔ وہ اپنے گائیڈ سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، کیوں کہ جانتے تھے، الورالا کا گائیڈ سے بھی پوچھ گچھ ضرور کرے گا۔ قلعے کے قریب پہنچنے سے پہلے ان کے پیچھے ایک کار بھی نہیں رہی۔ تینوں کاریں ادھر ادھر مڑ گئیں، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان

کے تعاقب میں نہیں تھیں۔ اور اب ان کے پیچھے دور دور تک کوئی کار نہیں تھی۔ یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔ ڈاکیل کی گفتگو سے تو یہی ظاہر تھا کہ اب الورالا کے آدمی کسی قیمت پر بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے، لیکن اب ان کے پیچھے کوئی بھی نہیں تھا اور یہ ایک عجیب ترین بات تھی۔

انسپکٹر جمشید کو ایک عجیب سا احساس ہوا، ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ انہوں نے اپنے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجتی محسوس کیں۔ جب کہ محمود، فاروق اور فرزانہ پیچھے کوئی کار نہ پا کر مطمئن نظر آ رہے تھے اور پھر وہ قلعے کے پاس پہنچ گئے۔ یہ ایک بہت بڑا اور عظیم الشان قلعہ تھا، انہوں نے کار پارک کی اور اندر داخل ہوئے۔ قلعے کی سیر کے لیے ٹکٹ خریدے گئے۔ اب تامور کا کام شروع ہوا۔ وہ انہیں قلعے کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ پوری دلچسپی سے سننے لگے۔ دو گھنٹے تک سیر کرنے کے بعد وہ گھاس کے ایک قطعے پر بیٹھ گئے۔ اچانک فرزانہ نے کہا۔

"کیا خیال ہے ٹونی پاشا، مجھ سے دوڑ لگاتے ہو یہاں؟"

"ضرور آؤ۔" محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔ فاروق بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ انسپکٹر جمشید اور تامور انہیں دلچسپ نظروں سے دیکھنے لگے۔

تینوں ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔ محمود نے ایک دو تین کہا اور تین
پر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تینوں پورا زور لگا کر بھاگ رہے
تھے۔ محمود سب سے آگے تھا، پھر فرزانہ اور فاروق پیچھے رہ گئے
تھے۔ قلعہ بہت بڑا تھا۔ دوڑتے ہوئے وہ اس کے دوسرے سرے
پر نکل آئے اور پھر اچانک فرزانہ گر پڑی۔ اس کے منہ سے
چیخ نکل گئی۔

"ارے میں مر گئی۔"

"مریں تمہارے دشمن۔" فاروق نے رکتے ہوئے بڑی بوڑھیوں
کے انداز میں کہا۔ محمود بھی رک گیا۔

"کیا ہوا؟"

"ہونا ہوانا کیا ہے۔ ٹامود کی موجودگی میں تو ہم بات چیت
کرنے سے بھی ترس گئے ہیں۔ اسی لیے میں نے دوڑ کا بہانا بنایا
تھا اور اب پیر میں موچ کا بہانا بناؤں گی۔ تاکہ واپس ہم
آہستہ آہستہ جا سکیں اور اس دوران باتیں بھی کر سکیں۔"

"بہت خوب، معلوم ہوتا ہے، آج کل بڑی رفتار سے بہانے
بنا رہی ہو۔" فاروق مسکرایا۔

"مجھے حیرت ہے، انوالا کے آدمیوں نے ہمارا تعاقب کیوں
نہیں کیا۔"

"ہو سکتا ہے آرکیل انوالا سے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ ہو اور
اس نے اس کے بارے میں بہت بڑھا چڑھا کر باتیں بتا دی ہوں۔"

"آخر اس طرح سیر کرتے ہم کب اس خفیہ کیمپ تک پہنچیں
گے۔ مجھے تو یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔" فرزانہ نے
کہا۔

"تم منڈھے چڑھنے کی بات کر رہی ہو، جب کہ مجھے سرے
سے بیل ہی نظر نہیں آتی۔" فاروق بولا۔

اب وہ دونوں فرزانہ کو سہارا دے کر واپس چل رہے تھے۔
انسپکٹر جمشید اور ٹامود کی نظریں انہی پر جمی تھیں۔ اچانک مخالف
سمت سے ایک آدمی ٹہلتا ہوا آیا اور ان کے بالکل پاس سے
گزرتا چلا گیا۔

"عجیب احمق ہے، اتنا لمبا چوڑا میدان ہے اور عین ہمارے
پاس سے گزرا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی، تمہارا یہ خیال ہے۔ دنیا میں ایک تم ہی احمق رہ
گئے ہو۔" فرزانہ ہنسی۔

"دیکھو، منہ سنبھال کر بات کرو، ورنہ میری اور تمہاری جنگ
چھڑ جائے گی اور تمہارے پاؤں میں پہلے ہی موچ آ گئی ہے، اگرچہ
مصنوعی ہے، لیکن ٹامود کو دکھانے کے لیے تمہیں لنگڑاتے ہوئے
مقابلہ کرنا ہوگا۔"

"میں اس حالت میں بھی تمہیں تگنی کا ناچ نچا دوں گی۔"
فرزانہ بولی۔

"تو پھر آ جاؤ، ہو جائیں دو دو ہاتھ۔" فاروق نے اس کا بازو چھوڑتے ہوئے کہا۔

"فاروق، کیا کر رہے ہو، مسٹر ٹامور ہمارے بارے میں کیا خیال کریں گے۔"

"یہی خیال کریں گے کہ کتنے بہادر بچے ہیں۔ پیر میں موچ آ گئی، لیکن لڑنے بھڑنے سے پھر بھی باز نہیں آئے۔"

"سنو، میں تمہیں ایک خاص بات بتانا چاہتا ہوں۔"

"تم عام بات بتایا ہی کب کرتے ہو۔" فاروق بولا۔

"وہ آدمی جو ہمارے پاس سے دوڑتا ہوا گزر گیا۔ پاگل نہیں تھا، احمق بھی نہیں تھا۔"

"تو کیا بدھو تھا؟" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں، وہ بہت عقل مند تھا اور تم دونوں عقل سے پیدل ہو۔" محمود نے پُراسرار لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" انھوں نے چونک کر کہا۔

"وہ میرے ہاتھ میں ایک کاغذ دے گیا ہے۔"

"کیا؟" دونوں زور سے چونکے۔

"ہاں، لیکن ہم ٹامور کی موجودگی میں اس کاغذ کی تحریر کو

پڑھ نہیں سکتے۔ اب تم اپنی موچ کی تکلیف میں اضافہ کر لو، اور ہائے وائے بھی کرنا شروع کر دو، تاکہ ہم فوراً ہی گھر جانے کا پروگرام بنا لیں۔" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور پھر فوراً ہی حیرت غائب ہو گئی کہ کہیں ٹامور ان کی آنکھوں میں حیرت نہ پڑھ لے۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵

نیلا عذاب

مصنف: اشتیاق احمد

- نیلے باس والے کی جیب میں ایک نیلا لفافہ تھا، لیکن اچانک وہ لفافہ جیب سے اڑا لیا گیا۔
- لفافہ اڑانے والے کو محمود نے صاف دیکھا تھا۔
- محمود نے فاروق کے ذمے ایک عجیب کام لگایا۔
- ہوٹل کی دوسری منزل سے فرزانہ نے ایک ہولناک منظر دیکھا اور کانپ اٹھی۔
- ایک پراسرار سڑک جس پر گاڑیاں دھنس جاتی تھیں۔
- نیلے لفافے کا راز کیا تھا؟
- واقعات طوفان کی سی تیزی اختیار کر لیتے ہیں۔

ایک عجوبہ ناول۔

قیمت: ۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک

اشتیاق احمد کی زندگی کا دوسرا ناول

متفرق سلسلہ ۲۴

ان کے کارنامے

مصنف: اشتیاق احمد

- یہ کتاب فیروز سنز سے شائع ہوئی تھی۔
- پہلے ناول پیکٹ کا راز کی طرح اب یہ مکتبہ اشتیاق سے شائع ہو رہی ہے۔
- محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے چھ کارنامے۔
- ہر کارنامے پر آپ انہیں داد دیے اٹھیں گے۔
- ابتدائی دور کی کتاب، دیکھیے تو، اس زمانے میں محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کیسے تھے۔ کس طرح کام کرتے تھے!

آپ کے لیے ایک دل چسپ کتاب۔

قیمت: ۵/-

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۹

دروازہ کھلا ہے

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک ہوٹل میں خان رحمان کا بٹوہ اڑا لیا گیا۔
- شہر پر ایک بدمعاش کی حکومت تھی۔
- پولیس بھی اس کے خلاف کچھ کرتی نظر نہیں آتی تھی۔
- خان رحمان نے مجبوراً انسپکٹر جمشید کو فون کر ڈالا۔
- لیکن انھوں نے اس دروازہ قصبے میں محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھیج دیا۔
- ان کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے؟

قدم قدم پر حیرتوں کا سامنا۔

قیمت: ۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۱۶

گڑیا کا چکر

مصنف: اشتیاق احمد

- خان بہادر کریم یار کی کوٹھی میں ایک پارٹی منائی جا رہی تھی۔
- ان کے عجائب خانے میں ایک گڑیا موجود تھی۔
- خان بہادر کا منیجر آفتاب اور آصف کو گڑیا کے بارے میں حیرت انگیز ترین باتیں بتاتا ہے۔
- تھوڑی دیر بعد گڑیا غائب تھی۔
- اور پھر انوار جمیل بھی غائب ہو گیا۔
- آخر اس کوٹھی میں ہو کیا رہا تھا؟
- آفتاب، آصف اور فرحت تفتیش کے نئے راستے پر۔
- انسپکٹر کامران مرزا آخر میں عجیب انکشاف کرتے ہیں۔

قیمت: ۵/۵۰

خطوط کے آئینے میں

اس مرتبہ مندرجہ ذیل تین خطوط انعامی قرار پائے۔ انہیں انعامی پیکٹ روانہ کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ حامد شہزاد۔ حفیظ جنرل سٹور سکندر پورہ پشاور شہر۔
۲۔ ز۔ کنول (پتا نہیں لکھا)
۳۔ سعیدہ ابراہیم۔ مکان نمبر ایس ۵۶ گلی نمبر ۱۱۔ گورو مانگٹ گلبرگ ۲ لاہور۔

السلام علیکم! گزشتہ ناولوں میں یہ رائے مانگی گئی ہے کہ اگر چار ناولوں کی بجائے ایک ناول شائع کیا جائے تو کیا خیال ہے؟ یہ پڑھ کر بہت غصہ آیا، ہم تو خوش ہو رہے تھے کہ ناولوں کی تعداد بڑھائیں گے۔ بہرحال میں اپنی رائے دیتا ہوں کہ اگر آپ ان ناولوں کی تعداد دس بھی کر دیں، ہم لوگ اتنی ہی دلچسپی سے پڑھیں گے جتنا کہ چار ناولوں کو۔

اس ماہ کے ناول خاصے اچھے تھے۔ اگر ناول اسی طرح اچھے آتے رہے تو ان کی تعداد اور بڑھے گی اور ہاں، اگر آپ نے ناولوں کی تعداد کم کی تو ہم ہڑتال کر دیں گے۔

فقط: امتیاز علی۔ مکان ۴۰، ۴/۴ ای ٹائپ کالونی، سکھر

پیارے اشتیاق احمد!

دسمبر کے ناول پڑھ کر دسمبر میں پسینہ آگیا۔ خاص طور پر بھوت کے پڑھ کر ہول آنے لگا۔ جنگل کا قانون کا سرورق دیکھ کر آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ ایشیا کا جلاد پڑھ کر میں نے افریقہ میں تو جنگلی اور آدم خور جانوروں کا ڈر ہو رہا ہے۔ یہ سوچ کر ارادہ کیا کہ چلو یورپ چلتے ہیں، لیکن سوچ کر رک گئے کہ وہاں تو غیر ملکی جاسوس ٹکرا جائیں اور انسپکٹر جمشید کو ایک گمنام خط لکھنا پڑے گا، امریکہ جانے کا جواب ہی پیدا نہیں ہوتا، میرا مطلب ہے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اچھا اب بہت بول چکا۔ خدا حافظ

فقط: محمود حسن۔ ایم ۲۷، بلاک ۲، پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹

(انعامی خط) پیارے انکل اشتیاق احمد! السلام علیکم۔

ماہ فروری کے ناول تقریباً اچھے تھے۔ خطوط کی عدالت میں پانچ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ ایک ایسا باغ جس کے پھولوں پر آپ کا

نام، پیٹوں پر انسپکٹر جمشید کا نام اور کلیوں پر محمود، فاروق اور فرزانہ کا
نام ہے۔ زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں، نہ ہی بغلیں بجانے کی
ضرورت ہے۔ ہمیں ڈر ہے، آپ خوش فہمیوں کے سمندر میں تیرتے دور
نہ نکل جائیں۔ ہر ہفتے ایک ناول والی بات نامنظور، اس طرح ہم
سب کو اور آپ کو بھی تکلیف ہوگی۔ آپ کے ناول پڑھ کر یوں محسوس ہوتا
ہے، جیسے آپ کے کردار مختلف قسم کے ساز ہوں۔ جو مل کر ایک ایسا
نغمہ گا رہے ہیں، جس میں آدمی ڈوبتا ہی چلا جاتا ہے، لیکن پھر ایک
جھٹکے کے ساتھ ساز کے تار ٹوٹ جاتے ہیں اور ہم اس سحر انگیز کیفیت
سے باہر نکل آتے ہیں۔ یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب ناول ختم ہو
جاتا ہے۔ اوہو، یہ تو شاعری ہے، لیکن اس میں ہمارا کیا قصور، آپ
کے ناولوں نے ہی ہمیں شاعر بنا دیا ہے۔ والسلام۔

حامد شہزاد۔ حفیظ جنرل سٹور سکندر پورہ، پشاور شہر

※※※

پیارے بھائی اشتیاق،

فروری کے ناول اپنی مثال آپ تھے، لیکن افسوس کہ خطوط کی
عدالت کافی کوشش کے باوجود نہ مل سکی۔ ناولوں کے آخر میں شائع
ہونے والے کچھ خطوط میں لکھا ہوتا ہے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی باتیں بہت
لمبی ہوتی ہیں۔ تو انکل جی سن لیں اور ان سے بھی کہہ دیں کہ ہم ناول
خریدتے ہیں تو صرف اس لیے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی نوک جھوک پڑھنے

کے لیے اور ساتھ ہی ان کی اس نوک جھونک سے ناول کی شان بھی بڑھتی
ہے۔ اور ان کی اکثر باتیں مفید بھی ثابت ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے
کیس حل ہو جاتا ہے۔

فقط: محمد فراز گھمن (پتا نہیں لکھا)

※※※

پیارے انکل! السلام علیکم۔

میں کہہ رہا تھا، لیکن نہیں۔ میں کہہ کب رہا ہوں، میں تو لکھ رہا
ہوں۔ اور یہی لکھنا میرا اوڑھنا اور بچھونا بن گیا ہے۔ شاید میں نے
محاورے کی ٹانگ توڑ دی ہے۔ آپ یقیناً جھنجلاہٹ کے انگارے چبا
رہے ہوں۔ میں نے کیا اول فول شروع کر دی۔ خیر میں زبان کو
تالا لگا دیتا ہوں، لیکن ٹھہریے جی، میں تو قلم سے لکھ رہا ہوں، قلم
کو تالا لگانا چاہیے، بلکہ نہیں، مجھے تو اپنے ذہن کو تالا لگانا چاہیے،
خیر چھوڑیے، اب میں سنجیدگی سے لکھنے کی سوچ رہا ہوں، کیونکہ خط کا
باقی حصہ اوٹ پٹانگ باتوں کی نذر ہو گیا۔ میں دراصل یہ کہنے والا تھا
کہ آپ کو مبارک ہو۔ جی ہاں، انسپکٹر جمشید کے پچاس یعنی آدھی سنچری
ہو چکی ہے۔ آپ نے جس شاندار بیٹنگ کا مظاہرہ کیا، وہ قابل تعریف
ہے۔ بیٹنگ کے دوران آپ نے جو چند شاندار چھکے لگائے، وہ تو
بہت ہی زبردست تھے۔ خاص کر تیسرا چھکا جو آپ نے حال ہی میں مارا
بہت [illegible] تھا۔ جنگل کا قانون بہت پسند آیا۔ تمام کتب پڑھنے کو

دعوے دار—

خالد فرید عباسی ۱/۱۶، انگی روڈ نزد بلاک ۱۵ صدر کراچی

⁂

(انعامی خط) بالکل ناپسندیدہ اشتیاق احمد صاحب—

آپ کے ناول آخری خواہش اور میری کہانی پڑھنے کو ملے — اب
آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ ان کے بارے میری کیا رائے ہے تو یہ
دونوں ناول بالکل بکواس تھے — میں نے اپنے آپ کو گیارہ روپے ضائع
کرنے پر بری طرح کوسا — میرے پاس آپ کے سو کے قریب ناول
ہیں اور ان میں سے ایک بھی تعریف کے قابل نہیں — آپ کے ناول
بھی پاکستانی ناولوں کی طرح بالکل بکواس ہوتے ہیں، معلوم نہیں، بچے
کس طرح آپ کے ناول پسند کر لیتے ہیں — میں آپ کو اپنا خط شائع
کرنے پر مجبور نہیں کروں گا — میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ اسے
پڑھ لیں — آپ کو اپنے ناولوں کی تعریف میں تو بہت خطوط موصول
ہوتے ہوں گے، ایک خط بد تعریفی کا بھی سہی —

"آپ نے ناول میری کہانی میں لکھا ہے کہ آپ غصے کو حرام
سمجھتے ہیں، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو کیا آپ کو
مندرجہ بالا الفاظ پڑھ کر غصہ نہیں آیا" اس بات کا جواب سچ سچ مجھے
لکھیں، یا اگر شائع کرنا چاہیں تو یوں ہی سہی — ویسے آپ کی اطلاع
کے لیے عرض کردوں کہ میں نے آپ کو یہ خط آپ کے ضبط کو آزمانے

کے لیے لکھی تھیں اور یہ سب جھوٹ ہیں — اصل بات بالکل ان کے
برعکس ہے — اگر آپ نے یہ خط اب تک پھاڑا نہیں (غصے میں آکر)
تو آپ کو حقیقت کا علم ہو ہی چکا ہے، تمام گستاخیوں کے لیے معذرت،
اب نہایت مودبانہ سلام کے بعد عرض ہے کہ میں پہلے بہت سے مصنفوں
کی کتابیں پڑھتی تھی، لیکن اب صرف آپ کی کتابیں پڑھتی ہوں۔

ز کنول۔ (پتا نہیں لکھا)

⁂

جناب اشتیاق احمد السلام علیکم—

کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کو یہ خط لکھنے کی زحمت کیوں
فرمائی ہے۔ چلیے بوجھ لیں — کیا نہیں بوجھ سکے، میں تو پہلے ہی جانتا تھا
کہ آپ نہیں بوجھ سکیں گے — بات دراصل یہ ہے کہ ابھی ابھی میرے
ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے — اتنی زوردار تو نہیں تھی مگر میں نے
اس پر بہت زور دیا ہے اور اب یہ زوردار بن گئی ہے تو ترکیب یہ
ہے کہ کیوں نہ ہم ایک عدالت قائم کریں، جس میں آپ کے کرداروں
پر مقدمہ چلایا جائے — مدعی کی طرف سے تمام قارئین دلائل پیش کریں
گے اور مدعا علیہ کی طرف سے صرف آپ اس کے حق میں دلائل دیں۔
اس طرح میرے خیال میں ہمیں سوالات کرنے کا ایک نیا راستہ مل جائے
گا کیونکہ آپ کرداروں سے سوالات کی یکسانیت آشکار ہوتے جا رہے ہیں
اس لیے اس زوردار ترکیب پر زوردار طریقے سے غور کریں اور جواب

ضرور دیں ورنہ خطوط کی عدالت میں آپ کے خلاف اپیل دائر کر دوں گا۔ رہ گئی نوکری کی مجھے مطلق بھی پروا نہیں کہ وہ میری پرانی واقف ہے اور دس ماہ ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ چند دنوں بعد میں ان کا ایک انٹرویو بھی پیش کروں گا۔ امید ہے سب کو پسند آئے گا۔ اچھا خدا حافظ —

مقصود محمود، ۵۵-۳ سی، سٹی ماڈل ٹاؤن، گوجرانوالہ

ج: آپ کی تجویز تو واقعی زوردار ہے۔ مقدمہ آپ ہی دائر کریں تاکہ دوسرے اس راستے پر چل پڑیں — اور ہاں، آپ کی طرف سے رضی کی نوکری سے انٹرویو کا انتظار رہے گا۔

٭٭٭

(الوداعی خط) با ادب باملاحظہ ہوشیار! نگاہ روبرو، سعیدہ صاحبہ کا خط تشریف لا رہا ہے۔ ویسے آپ ابھی تک مشتعل ہی نہیں ہوئے۔ وہ ناراض ہو جائے گا۔ پھر آپ کا کوئی نقصان ہو گا۔ فکر مندگی تو اٹھانا پڑے گی، کیونکہ خط صاحب نے تو پہلے گھر کی طرح سادگی اپنائی ہے کہ اگر اب کی مرتبہ جواب نہ دیا تو میں کبھی بھی اشتیاق احمد کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس لیے آپ فوراً ہمارے خط عزیز کا جواب دینے کی کوشش کریں۔ اور اگر ان اپنے خط کا جواب لینا ہے تو آپ کی کتابوں کی تعریف ضرور کرنا پڑے گی کیونکہ تنقید اور تعریف کے بغیر جو بھی خط ملے، اس کا تو کبھی آپ نے جواب دیا ہی نہیں، لہٰذا اس بار آپ کی کتابیں بہت اچھی ہو رہی ہیں — خدا حافظ۔

سعیدہ ابراہیم مکان نمبر ۱، ایس ۹۰-۵ گلی نمبر ۱۱ گوردوارہ بلاک گلبرگ ۳
لاہور —

www.UrduFanz.com
اشتیاق احمد
انسپکٹر جمشید سیریز

دوسرا حصہ

محمود، فاروق، فرزانہ

اور ۔۔۔ انسپکٹر جمشید سیریز

خونی کیمپ

اشتیاق احمد

اہتمام اشاعت
طاہر ایس ملک

پبلشر : ترتیب پبلشرز، لاہور
پرنٹر : افضل شریف پرنٹرز، لاہور
کتابت : محمد سعید نامدار
قیمت پندرہ روپے

ترتیب پبلشرز
۱- میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

دو باتیں

السلام علیکم! ایک صاحبہ ہیں نسیم اختر صاحبہ — گاڑی چلانے کی ماہر ہیں — لیکن کیسے — ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر نہیں — بلکہ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ کر چلاتی ہیں — اور ان کا کہنا ہے کہ اس کام کی یہ اکیلی ماہر ہیں — اس طرح کوئی اور گاڑی چلا کر نہیں دکھا سکتا — انھوں نے کئی بار مطالبہ کیا کہ میرے بارے میں اپنے ناول میں ذکر کروں — میں نے ان سے کہا کہ پہلے یہ مظاہرہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا — پھر لکھ سکتا ہوں — انھوں نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی — میں نے بذریعہ خط انھیں اطلاع دی کہ فلاں دن، فلاں وقت آؤں گا — طاہر ایس ملک کو ساتھ لے کر میں ان کے ہاں گیا — لیکن یہ گھر سے غائب تھیں — ہم پریشان ہو کر واپس چلے آئے — بعد میں انھوں نے بتایا کہ انھیں ایک کام آ پڑا تھا — اس کے بعد یہ بار بار مظاہرہ دیکھنے کے لیے بلا چکی ہیں — لیکن میں ایک بار جا کر پریشان ہو چکا ہوں، پھر سے وقت نکالنا آسان کام نہیں ہے — اس لیے جرأت نہ کر سکا — یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ اگر

اس بار بھی نہ ملیں تو..... لہٰذا میں مظاہرہ نہ دیکھ سکا۔ تاہم ان کا مطالبہ بدستور جاری ہے کہ آ کر نہیں دیکھ سکتے تو نہ سہی۔ کم از کم ناول میں ذکر تو کر دیں۔ لیجیے میں نے ناول میں ذکر کر دیا۔ چونکہ میں نے آنکھوں سے دیکھا نہیں۔ اس لیے ان کا دعویٰ ہی شائع کر رہا ہوں۔ یہ نہیں لکھ رہا کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں۔

نعیم اختر صاحب مغل پورہ لاہور میں رہتے ہیں۔ پورا پتا نہیں لکھ رہا۔ اس لیے کہ لڑکے ہیں۔ کسی نے انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا تو یہ پھر مجھ پر بگڑیں گے۔ تاہم انھوں نے منظور کیا تو ان کا پتا آیندہ ناول میں شائع کر دیا جائے گا۔

ٹامور

انسپکٹر جمشید اور ٹامور فرزانہ کو لنگڑاتے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ان کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے تھے۔ قریب پہنچتے ہی انسپکٹر جمشید بولے:

"کیا ہوا گرین؟"

"پیر میں شاید موچ آگئی ہے ابا جان، ٹھیک طرح سے چلا نہیں جا رہا۔" اس نے کہا۔

"اوہ، لاؤ میں دیکھتا ہوں۔"

انھوں نے کہا اور فرزانہ کے ساتھ گھاس پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے اس کے پاؤں کو ہلا جلا کر دیکھا۔ دو ایک جھٹکے دیے، پھر بولے:

"اب چل کر دیکھو۔"

فرزانہ نے اٹھ کر چلنے کی کوشش کی، لیکن پاؤں پر پورا دباؤ نہ ڈال سکی۔

"نہیں چلا جا رہا ابا جان، میرا خیال ہے گھر چلتے ہیں۔ وہاں یا تو کسی ڈاکٹر کو بلا لیں گے، یا پھر کوئی ... ہم ... لگا کر پٹی وغیرہ کر دیں گے۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔ انسپکٹر جمشید نے چند لمحے کے لیے سوچا اور پھر بولے:

"ٹھیک ہے، آئیے مسٹر ناصور، آپ جہاں کہیں گے، ہم آپ کو اتار دیں گے۔"

"شکریہ جناب۔" ناصور نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ واپس روانہ ہوئے۔ ناصور ان کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر اترا۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے:

"کیا آپ یہاں نزدیک ہی رہتے ہیں۔"

"جی ہاں، یوں سمجھ لیں، میں مسٹر راکیل کا دوست ہوں۔ اچھا جناب، اب میں کل نو بجے حاضر ہوں گا۔"

"شکریہ، ہم آپ کو تیار ملیں گے۔ بشرطیکہ فرزانہ کی طبیعت ٹھیک ہوئی۔"

"کچھ بھی ہو، مجھے تو آنا ہی چاہیے۔" ناصور مسکرایا۔

"جی ہاں، ضرور۔"

اور ناصور چلا گیا۔ اب انسپکٹر جمشید نے کار آگے بڑھائی۔ لیکن اس سے پہلے ہی انہوں نے پیچھے کی طرف دیکھتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بہت حیران ہوئے کہ کار میں بات چیت کرنے میں کیا نقصان ہے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے کار گیراج میں کھڑی کی اور اندر داخل ہوئے۔ انسپکٹر جمشید بدستور ہونٹوں پر انگلی رکھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اندرونی کمرے میں آ گئے۔ اب انہوں نے کاغذ اور قلم جیب سے نکالا۔ اور اس پر لکھنے لگے۔

"ہمیں زبردست احتیاط کی ضرورت ہے۔ کار میں ہونے والی گفت گو کے سنے جانے کا بھی امکان تھا۔ اس گھر میں کی جانے والی گفت گو کا بھی ایک لفظ سن جا سکتا ہے۔ ہمارے گھر سے نکلنے کے بعد انہوں نے اندر اس قسم کے آلات فٹ کر دیے ہوں گے۔ لہذا ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے مجھے وہ چیز دے دو، جو پاس سے گزرنے والے اس آدمی نے تمہیں دی تھی۔"

ان کا آخری جملہ پڑھ کر تینوں چونک اٹھے اور پریشان ہو گئے، کیونکہ اگر پاس سے گزرنے والے کی حرکت ان کے والد نے نوٹ کر لی تھی، تو پھر یہ بھی ممکن تھا کہ ناصور نے بھی اس کی یہ حرکت نوٹ کر لی ہو، چنانچہ محمود نے کاغذ پر لکھا:

"تو آپ نے اس کی حرکت نوٹ کر لی تھی؟"

"نہیں، لیکن میں نے یہ ضرور دیکھا تھا کہ فرزانہ کے پاؤں کی موچ اصل نہیں۔ آخر کوئی تو بات تھی جس نے اسے اپنی موچ کو لمبا کرنے پر مجبور کر دیا۔ جب میں نے سوچا کہ وہ کیا بات ہو

ہے تو مجھے وہ پاس سے گزرنے والا یاد آیا اور اسی وقت میں
سمجھ گیا کہ ضرور کوئی بات ہے، پھر جب میں نے فرزانہ کے پاؤں
کو ہلا جلا کر دیکھا تو اس میں مجھے کوئی گڑبڑ نظر نہ آئی، اس پر
مجھے یقین ہو گیا۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ جب ہم ٹامور کے ساتھ
گھر سے نکلے تھے تو ہم نے کپڑے بھی تبدیل کیے تھے۔ تم نے
دیکھا ہوگا کہ میں نے کوٹ کے کالر میں ایک ریشمی دھاگے کا
بنا ہوا سرخ گلاب لگایا تھا۔ ایسی چیزیں لوگ عام طور پر کالروں
میں لگا لیتے ہیں، لیکن میں نے یہ گلاب ضرورت کے مطابق لگایا
تھا۔ اپنے ملک سے چلنے سے پہلے جب ہم نے سب سے ذہین
ایجنٹ سے رابطہ قائم کیا تھا اور اسے اپنا پروگرام بتایا تھا تو اس نے
کہا تھا کہ اس سے ملاقات کرنے کی کوشش ہرگز نہ کی جائے۔
کیونکہ یہاں کے حالات بہت خطرناک ہیں؛ البتہ اگر کوئی خطرہ نہ
ہوا تو میں کوٹ کے کالر میں دو سرخ گلاب لگا کر نکلوں۔ وہ کسی
طرح خود رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا اور اگر خطرہ ہو تو
صرف ایک گلاب لگا کر نکلوں اور یہ بھی کہ ہم شہر کے سب سے اچھے
ہوٹل میں کھانا کھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ٹامور کو سب سے
اچھے ہوٹل میں لے چلنے کے لیے کہا تھا۔ وہاں ہمارا وہ ایجنٹ ضرور
موجود تھا۔ جب اس نے ایک گلاب میرے کالر میں دیکھا تو وہ
ہوشیار ہو گیا اور ہم سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا؛ تاہم وہ ہماری

کار کی سمت کا اندازہ لگا کر وہ سمجھ گیا کہ ہم پرانا قلعہ دیکھنے جا
رہے ہیں؛ لہٰذا وہ ہمارے پہنچنے کے کافی دیر بعد قلعے کی طرف
روانہ ہوا، تاکہ یہ خیال نہ کیا جا سکے کہ ہمارا تعاقب کرتے
ہوئے یہاں تک پہنچا ہے۔ یہاں تمہاری دوڑ نے اسے ایک
سنہری موقع عطا کیا اور وہ ٹامور کے نزدیک آئے بغیر اپنا کام
کر گیا۔ اب وہ چیز نکالو جو وہ دے گیا ہے۔"

"کمال ہے، آپ نے ہمیں چلنے سے پہلے یہ بات بتائی ہی
نہیں کہ یہاں کسی ایجنٹ سے بھی ہمیں رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔"

"لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس سے کوئی مدد نہیں
لے سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود نے کاغذ ان کے سامنے کر دیا۔ ابھی انہوں نے
کاغذ کھولا بھی نہیں تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ ان کے دل
دھڑک اٹھے۔ انسپکٹر جمشید جلدی جلدی کاغذ پر لکھنے لگے۔

"محمود، یہ کاغذ اٹھا کر غسل خانے میں چلے جاؤ۔ یہ لائٹر
لے لو۔ اسے جلا کر فلش میں بہا دینا اور کچھ دیر غسل خانے
میں ہی رہنا۔ اس آدمی کا دیا ہوا یہ کاغذ بھی لے جاؤ۔ اس پر
لکھا ہوا پیغام پڑھ کر اسے بھی بہا دینا، بشرطیکہ پیغام جلانے
کا کوئی خطرہ نہ ہو۔"

"بے فکر رہیے، میں بھولوں گا نہیں۔"

یہ کہہ کر محمود نے کاغذ سمیٹے — لالٹین اٹھایا اور غسل خانے کی طرف لپکا — انسپکٹر جمشید دروازے کی طرف بڑھے، ادھر فاروق نے فرزانہ کو ایک کہنی لگائی — اس نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تو فاروق نے اشاروں میں کہا۔

"اپنا پیر اس دوسری کرسی پر رکھ لو — شلوار اوپر کر لو — میں تیل کی شیشی لے آتا ہوں — یہ معلوم ہونا چاہیے جیسے ہم تمہاری موچ نکالنے کی کوشش میں مصروف ہیں — کیا خبر انور کا ٹامور سے پوچھ گچھ کر بھی چکا ہو" اور فرزانہ نے سر ہلا کر فاروق کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھا —

فاروق فوراً تیل کی شیشی نکال لایا — اتنی دیر میں فرزانہ اپنا پیر خالی کرسی پر رکھ چکی تھی — فاروق نے اس کے ٹخنے کے پاس تیل کی مالش شروع کر دی، پھر دروازہ کھلنے کی آواز سن کر ہاتھ کھینچ لیا اور بولا:

"میرا خیال ہے، ابا جان کی مالش سے تمہیں ضرور آرام محسوس ہو رہا ہوگا۔"

"ہوں، معلوم تو یہی ہوتا ہے — شاید تھوڑی سی اور مالش کے بعد میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں۔"

اسی وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی — سر اٹھا کر دیکھا تو راکیل ان کے ساتھ چلا آ رہا تھا —

○

"آپ نے یوں ہی تکلیف کی جناب — میری بچی اب تقریباً ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید اس سے کہہ رہے تھے —

"دراصل ٹامور نے مجھے فون کیا تھا کہ آپ کی بچی کے پیر میں موچ آ گئی ہے، اس لیے میں خیریت دریافت کرنے چلا آیا کہ اگر کسی ڈاکٹر کی ضرورت ہو تو بلا دوں۔"

"میرا خیال ہے، ڈاکٹر کی ضرورت نہیں پڑے گی — کیوں گرین، تمہارا خیال ہے؟"

"جی ہاں، میں خود کو پہلے سے بہتر محسوس کر رہی ہوں۔"

"تب تو ٹھیک ہے — میں نے بلا وجہ آپ کو پریشان کیا۔ اچھا تو پھر میں چلا۔"

"ابھی بھی کیا جلدی ہے، تشریف رکھیے نا۔"

"نہیں، اب کل آؤں گا، تاکہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت مہیا کر دوں۔"

"بہت بہتر — شکریہ جناب۔"

راکیل نے ہاتھ ملایا اور الٹے پاؤں رخصت ہو گیا —

"کمال ہے، بھلا اتنی سی بات کے لیے انہوں نے کیوں

تکلیف کی۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"انسانی ہمدردی مجبور کرتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ دروازہ بند کرتے چلے گئے۔ واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ انہوں نے کاغذ پھیلا کر ان کے سامنے کر دیا — اس پر لکھا تھا:

"آپ لوگوں کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ میں آپ کو اصل بات نہیں بتا سکتا، اشارہ کر رہا ہوں۔ انورالکا نے ایک ایسی چال چلی ہے۔ اگر آپ لوگ غیر ملکی جاسوس ہیں تو اسے ضرور پتا چل جائے گا — کاش، آپ اس کی چال کو سمجھ جائیں؛ ورنہ آپ اس کے جال میں آئے بغیر نہیں رہیں گے۔ ہاں اگر آپ لوگ غیر ملکی جاسوس نہیں ہیں، تو پھر آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں — میں یہ خبر آپ کو صرف اس بنا پر دے رہا ہوں کہ کہیں آپ کے ساتھ میں بھی نہ مارا جاؤں۔ اس کاغذ کو پڑھنے کے بعد جلا کر فلش میں بہا دیجیے گا؛ ورنہ میں تو بے موت مارا جاؤں گا۔

راکیل"

وہ اس رقعے کو پڑھ کر ساکت رہ گئے۔ اب ان کے ذہن اور الجھ گئے تھے۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ گھر میں کھل کر بات بھی

نہیں کر سکتے تھے — بات چیت صرف کھلے میدان میں کر سکتے تھے اور اس وقت کھلے میدان میں رہنا بھی انہیں شک میں ڈال سکتا تھا۔ گویا وہ عجیب مصیبت میں پھنس گئے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے فاروق کو اشارہ کیا کہ محمود کو غسل خانے سے باہر آنے کا اشارہ کر دے — فاروق چلا ہی تھا کہ محمود خود ہی باہر آتا نظر آیا — اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ شاید اس نے بھی کاغذ پر کوئی خوفناک بات پڑھ لی تھی — انسپکٹر جمشید نے راکیل والا کاغذ اس کے سامنے کر دیا اور جب وہ پڑھ چکا تو اشاروں میں پوچھا:

"ہاں تو ہمارے ایجنٹ نے کیا پیغام دیا ہے۔"

"اس نے لکھا ہے کہ آپ لوگ بہت بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہیں — الوراکا اس ملک کی خوفناک ترین شخصیت ہے — اسے جس پر شک ہو جائے، وہ اس کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتا۔ ان حالات میں وہ ان کے کسی کام آنے کی جرأت نہیں کر سکتا — یہ پیغام دے کر بھی شاید وہ کوئی خطرہ مول لے رہے — بہرحال آپ کے لیے اتنا تو اسے کرنا ہی تھا کہ خبردار کر دیتا — بہتر یہی ہے کہ آپ لوگ فوراً واپس چلے جائیں — یہاں رہنے کی صورت میں آپ الوراکا سے نہیں بچ سکیں گے۔"

ایجنٹ کے الفاظ اور بھی سنسنی خیز تھے — تینوں نے پریشان ہو کر اپنے والد کی طرف دیکھا — وہ عجیب سے انداز میں مسکرا رہے

تھے، پھر انھوں نے راکیل کے نمبر گھمائے اور جب اس کی آواز سنائی دی تو بولے:

"مسٹر راکیل، میری بچی کے پیر کی تکلیف بڑھ گئی ہے — کسی ڈاکٹر کا پتا بتا دیں — میں اسے کار میں بٹھا کر اس کے پاس لے جاؤں گا۔"

"اگر آپ چاہیں تو ڈاکٹر کو گھر پر ہی بلایا جا سکتا ہے۔"

"نہیں، اس طرح اس کی فیس زیادہ ہو گی — میں خود ہی اسے لے کر چلا جاؤں گا۔"

"بہت بہتر، نام پتا لکھ لیجیے، آپ آسانی سے پہنچ جائیں گے ڈاکٹر بھشنام، ۱۰ فیرس روڈ، گھر سے دائیں ہاتھ۔"

"شکریہ جناب۔" انھوں نے پتا لکھتے ہوئے کہا، پھر فرزانہ سے بولے:

"آؤ گڑیا چلیں — تم دونوں گھر ہی میں ٹھہرو، کیونکہ چار آدمی ڈاکٹر کے پاس جا کر کیا کریں گے۔"

"جی بہتر۔" محمود نے کہا۔

انسپکٹر جمشید فرزانہ کو سہارا دے کر گھر سے نکلے اور کار میں بیٹھ گئے — دوسرے ہی لمحے کار گیراج سے نکل کر تیر کی طرح روانہ ہوئی — بریک لگائے بغیر وہ سیدھے چلے گئے، پھر دائیں ہاتھ مڑے اور کار کی رفتار بڑھاتے چلے گئے — انھوں نے سوچ لیا تھا، اب

کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا — فرزانہ برابر اپنے پیچھے نظر رکھ رہی تھی اس کار میں بھی وہ بات چیت نہیں کر سکتے تھے —

"کار کی رفتار تمھارے درد میں اضافہ تو نہیں کر رہی گڑیا؟" انھوں نے فرزانہ سے کہا۔

"جی نہیں، میں نے پیر اوپر اٹھا رکھا ہے۔"

"بس ہم فیرس روڈ پہنچا ہی چاہتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں — آپ فکر نہ کریں۔"

دس فیرس روڈ پر انھیں ڈاکٹر بھشنام کا مطب نظر آ گیا اور یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید پر جوش طاری ہو گیا کہ ڈاکٹر کے نام سے پہلے کرنل کا لفظ تھا، گویا وہ فوج میں بھی ڈاکٹر رہ چکا تھا — مطب کے سامنے کار کھڑی کر کے باہر نکلے اور مطب میں داخل ہو گئے — ان کی باری تقریباً آدھ گھنٹے بعد آئی۔

ڈاکٹر بھشنام ادھیڑ عمر آدمی تھا — انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کو اس کے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا:

"ڈاکٹر صاحب، ہم سیاح ہیں — یہاں آ کر مصیبت مول لے بیٹھے ہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اس بچی کے پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں — آپ نے کیا فرمایا، مصیبت مول لے بیٹھے ہیں۔"

"جی ہاں، اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اس ملک میں انوراکا جیسے لوگوں
سے بھی واسطہ پڑے گا تو کبھی نہ آتے — ہم اسے مشکوک نظر آتے
ہیں — اب یوں لگتا ہے جیسے ہم اس شہر میں قیدی ہوں۔"

"اوہو، تو یہ بات ہے۔ میں اس آدمی سے اچھی طرح
واقف ہوں — بہت خطرناک ہے — فوج میں میرا بھی اس سے
واسطہ پڑ چکا ہے۔"

"تو کیا اس کا تعلق فوج سے ہے؟"

"اس کا تعلق کسی محکمے سے نہیں ہے — وہ تو ہر محکمے کے
کسی بھی معاملے میں ٹانگ اڑا سکتا ہے، کوئی اسے نہیں پوچھ
سکتا۔" ڈاکٹر جشنام نے منہ بنایا — انسپکٹر جمشید کو یہ آدمی کام کا
لگا — اس دوران وہ فرزانہ کے پیر کا مختلف طریقوں سے معائنہ بھی
کر رہا تھا اور ان سے باتیں بھی —

"آپ کیا فرما رہے تھے، آپ کا بھی اس سے واسطہ
پڑ چکا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے —

"ہاں، میری اس سے جھڑپ ہو گئی تھی — ایک فوجی مریض
پر اسے غیر ملکی جاسوس ہونے کا شبہ ہوا تھا — میں اس مریض کا
علاج کر رہا تھا۔ انوراکا آ دھمکا — وہ اس مریض کو اپنے ساتھ
کچھ اگلوانے کو لے جانا چاہتا تھا، مگر مریض کی حالت ایسی
نہیں تھی کہ ذرا سی بھی سختی برداشت کر سکتا، لہٰذا میں نے

مریض کو لے جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس پر انوراکا کا پارہ چڑھ
گیا — دراصل میں اس سے اچھی طرح واقف نہیں تھا — بس اس
نے میری اچھی بھلی بے عزتی کر دی اور زبردستی اس مریض کو اپنے
ساتھ لے گیا — اس کے بعد میں نے فوج کی ملازمت سے استعفیٰ
دے دیا اور اپنا مطب کھول لیا۔" ڈاکٹر جشنام تفصیل بتا گیا۔

"گویا اس شخص کی نظروں میں کسی کی بھی کوئی عزت نہیں۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" وہ بولا۔

"ان حالات میں آپ ہی بتائیے، ہم کیا کریں — ہم تو سیاحت
کے لیے آئے تھے اور بن گئے اس کی نظروں میں مشکوک — آپ
تو اس ملک کے باشندے ہیں، آپ تو اس کے ہاتھوں محفوظ
رہے، ہم کیا کریں۔"

"آپ تو واقعی بہت مشکل میں ہیں — کیا آپ دو ہی ہیں
یا آپ کے اور بھی ساتھی ہیں؟"

"میں اپنے دو بیٹوں کو گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔"

"گھر؟ کیا مطلب؟" ڈاکٹر جشنام نے حیران ہو کر کہا —

"میں نے ہوٹل کی بجائے ایک گھر کرائے پر لیا ہے۔"

"اوہ، میں سمجھا — آپ کے لیے کچھ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کیا
آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہاں سے کسی طرح فرار ہو جائیں۔"

"جی ہاں، لیکن ہم جانتے ہیں، انوراکا نے ہمارے لیے تمام

راستے بند کرا دیے ہیں۔"

"ہوں! ان حالات میں آپ کی مدد صرف اور صرف پروفیسر وشپا ہی کر سکتا ہے۔"

"پروفیسر وشپا۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ہاں، اس ملک میں انوراکا کا سب سے بڑا دشمن، اس کے ستائے ہوئے لوگ عام طور پر اسی کی ہی پناہ لیتے ہیں اور وہ معاوضہ لے کر انہیں کسی نہ کسی طرح ملک سے باہر پہنچا دیتا ہے۔"

"تو کیا انوراکا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا؟"

"نہیں، اس کی بھی ایک زبردست حیثیت ہے۔ وہ ہمارے صدر صاحب کی بیوی کا بھائی ہے۔ یعنی صدر صاحب کا سالا ہے، لہذا انوراکا کے رعب میں نہیں آتا۔ وہ صدر سے اپنے اسی تعلق کی وجہ سے بے شمار ناجائز فائدے اٹھاتا ہے۔ وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ صدر صاحب کی وشپا کو یہ ہدایت ہے کہ انوراکا سے جھگڑا مول نہ لے اور انوراکا کو بھی انہوں نے یہی کہہ رکھا ہے! تاہم دونوں ایک دوسرے کی تاک میں رہتے ہیں۔" ڈاکٹر بجنام نے بتایا۔

"تو پھر ہم ان سے کہاں مل سکتے ہیں۔ کیسے مل سکتے ہیں: ہمارے پیچھے تو انوراکا کے آدمی سائے کی طرح لگے ہیں۔"

"اس کا بندوبست تو خیر ہو جائے گا، لیکن پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا آپ پروفیسر وشپا کو معاوضہ بھی دے سکیں گے یا نہیں۔"

"ہمیں کتنی رقم دینا ہو گی۔"

"پچیس ہزار روپے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہ رقم دے سکوں گا۔"

"تو پھر آپ اپنی بچی کو لے کر گھر چلے جائیے گا۔ میں پروفیسر وشپا کو فون کر دوں گا۔ ایک طرح سے میں ان کا انوراکا کے مقابلے میں ایجنٹ ہوں۔ اس کے ستائے ہوئے لوگوں کو ان تک پہنچاتا ہوں، لیکن انوراکا یا اس کے آدمیوں کو اس راز کا پتا نہیں۔ میں نے آپ کی بچی کا پاؤں دیکھ لیا ہے۔ میرے خیال میں موچ نہیں آئی۔ ہو سکتا ہے، کوئی رگ کھنچ گئی ہو۔ میں یہ گولیاں لکھے دے رہا ہوں۔ راستے میں رک کر لے لیجیے گا اور پھر گھر سے اس وقت تک نہ نکلیے گا جب تک کہ پروفیسر وشپا کے آدمی آپ کے دروازے تک نہ پہنچ جائیں۔ اب اپنا مکمل پتا لکھوائیے۔ مالک مکان کا نام بھی لکھوائیے۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر نے کمپاؤنڈر کو ہدایت کی کہ گرین کے پاؤں پر پٹی کر دے۔

انہوں نے پتا لکھوایا۔ ڈاکٹر کی فیس ادا کی اور نسخہ لے کر

فرزانہ کو سہارا دیتے ہوئے باہر کی طرف چلے۔

"لیکن ابا جان، واپس جانے کا آپ کا ارادہ کب ہے؟" فرزانہ نے دبی آواز میں حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"فی الحال تو میں انورا کا کے چنگل سے نکلنا چاہتا ہوں۔ دیکھو نا، ہم نہ کار میں بات چیت کر سکتے ہیں، نہ گھر میں۔ اس طرح تو ہم بالکل بے بس ہو جائیں گے۔" انھوں نے جواب دیا۔

"لیکن پروفیسر ویٹپا تو ہمیں ملک سے باہر بھیج دے گا۔"

"اس سے ملاقات ہونے پر ہی میں سوچوں گا کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔" وہ بولے۔

کار میں بیٹھ کر وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے تو ایک سرخ کار یکساں فاصلے سے ان کے تعاقب میں لگ گئی۔

"یہ سرخ کار ہمارے تعاقب میں اس وقت بھی تھی جب ہم گھر سے نکلے تھے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا، پھر بولے:

"ہم تو یہاں آ کر مصیبت میں ہی پھنس گئے ہیں۔ اگر معلوم ہوتا کہ یہاں ان حالات میں پھنس جائیں گے تو کبھی اس ملک کی سیاحت کا ارادہ نہ کرتے۔ خیر، اب ہم واپسی کی ہی تیاری کر لیتے ہیں۔ یوں کیا خاک مزا آئے گا۔ جہاں بھی جاؤ، لوگ تعاقب کر رہے ہیں۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی ابا جان کہ واپس ہی چلیے۔"

"ٹھیک ہے، اب یہی کرنا ہوگا۔"

وہ گھر کے سامنے پہنچے تو انھوں نے دیکھا، دروازہ چوپٹ کھلا ہے؛ حالاں کہ دروازہ بند ہونا چاہیے تھا۔ دونوں کار باہر ہی چھوڑ کر تیزی سے آگے بڑھے۔

نئے ہم درد

انسپکٹر جمشید اور فرزانہ کے نکلتے ہی محمود نے دروازہ اندر سے بند کر دیا، پھر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ ارادہ یہ تھا کہ ادھر ادھر کی باتیں کریں گے۔

"بھئی، مزا نہیں آ رہا ہے۔ یہاں تو ہماری نگرانی شروع ہو گئی ہے، ایسے میں بھلا سیاحت کا کیا خاک لطف آئے گا۔" محمود نے کہا۔

"سچ کہتے ہو ٹوٹی، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"لیکن ہم واپس تو جا ہی سکتے ہیں۔"

"ہاں، کیوں نہیں ــــ بھلا ہم واپس کیوں نہیں جا سکتے، ہم نے کوئی جرم تو کیا نہیں، نہ ہی اس ملک کا کوئی قانون توڑا ہے۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی ــــ دونوں نے چونک کر

ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر محمود اٹھا اور دروازہ کھولنے چلا گیا۔ دروازہ کھلتے ہی اس نے دیکھا، انورا کا کے چار ساتھیوں میں سے دو وہاں موجود تھے ــــ وہ محمود کو دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔

"خیر تو ہے جناب، آپ لوگ پھر آ گئے۔" محمود نے برداشت سے کام لیتے ہوئے کہا: ورنہ ان کے اس طرح اندر داخل ہونے پر اسے غصہ آ گیا تھا، لیکن فوراً ہی اسے احساس ہوا، وہ اپنے ملک میں نہیں، دشمن ملک میں موجود ہیں، یہاں ان کی کوئی نہیں سنے گا، نہ ہی قانون ان کی کوئی مدد کر سکے گا، لہٰذا وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"ہم کسی وقت بھی آ سکتے ہیں ــــ ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"نظر تو یہی آتا ہے۔" محمود نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"تو تمہاری بہن کے پاؤں میں موچ آ گئی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"راحیل یہاں اس وقت یہاں کیوں آیا تھا؟"

"ہمارے گائیڈ سے اُسے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ ہماری بہن کے پیر میں موچ آ گئی ہے! چنانچہ وہ اس خیال سے چلا آیا کہ کہیں ہمیں اس کی مدد کی ضرورت نہ ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا تمہارا یہ بھائی گونگا ہے۔" دوسرے نے فاروق کی طرف

اشارہ کیا۔
"نہیں تو۔۔ یہ بات آپ نے کیوں کہی؟" محمود نے فوراً کہا کوئی
اور موقع ہوتا تو وہ اس فقرے پر قہقہہ ضرور لگاتا، کیونکہ فاروق کو
اور گونگا خیال کیا جائے۔
"اس لیے کہ صرف تم ہی جواب دے رہے ہو۔ یہ بالکل
خاموش بیٹھا ہے۔"
"وہ اس لیے جناب، کہ میں اس سے بڑا ہوں اور بڑوں کے
ہوتے ہوئے چھوٹے جواب نہیں دیا کرتے۔" محمود نے کہا۔
"لیکن ہم اپنی باتوں کے جوابات اس کے منہ سے سننا
چاہتے ہیں۔"
"اگر آپ کی یہ خواہش ہے، تو میں کچھ نہیں بولوں گا، اب
یہی جواب دے گا۔" محمود نے کندھے اچکائے۔
"راکیل تم لوگوں کو کیا چیز دے کر گیا ہے؟"
"وہ تو خالی ہاتھ آیا تھا جناب۔" فاروق نے حیران ہو کر
کہا۔ دونوں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔
"کیا وہ اپنی کسی جیب میں کچھ ڈال کر نہیں لا سکتا۔"
"بالکل لا سکتا ہے۔"
"یہی ہم پوچھ رہے ہیں، وہ کیا لایا تھا؟"
"کچھ بھی نہیں۔"

"ہم گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ تم دونوں اسی جگہ ساکت
بیٹھے رہو گے۔" دوسرے نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔
"بہت بہتر، لیکن تھوڑی دیر پہلے بھی تو آپ لوگ تلاشی
لے چکے ہیں۔"
"تو کیا ہوا، ہم اب پھر تلاشی کی ضرورت محسوس کر رہے
ہیں۔"
"آپ مالک ہیں، جب بھی چاہے، ضرورت محسوس کر سکتے
ہیں۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔ محمود اس کے جملے پر
دل ہی دل میں مسکرایا۔ ایک بار پھر دونوں نے فاروق کو گھورا
اور ایک بولا:
"تم سے تو بہتر تمہارا بڑا بھائی جواب دیتا ہے۔"
"یہ آپ کی ہی فرمائش تھی جناب کہ جوابات میں دوں۔"
"اچھا خاموش رہو۔"
اس کے بعد انہوں نے گھر کی چیزوں کو الٹ پلٹ کرنا
شروع کر دیا۔ لیکن وہاں تھا ہی کیا، جو انہیں کچھ ملتا۔ محمود
کاغذ کے پرزے پہلے ہی جلا کر فلش میں بہا چکا تھا۔ آخر وہ ان
کے پاس واپس آئے۔ دونوں کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔
"تم لوگ یہاں کس لیے آئے ہو؟"
"ہم سیاح ہیں جناب، کیا آپ کو اب تک یہ بات نہیں معلوم

نہیں ہوتی۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"لڑکے ہماری باتوں کے سیدھی طرح جوابات دو! ورنہ ہم تم لوگوں کو پکڑ کر ہیڈ کوارٹر بھی لے جا سکتے ہیں اور وہاں لوگ فر فر جوابات دینے لگتے ہیں۔"

"اگر آپ کو فر فر جوابات سننے کی خواہش ہے تو پھر یہ کام میں ہی کر سکتا ہوں، یہ نہیں۔" فاروق بولا۔

"کیا مطلب؟" دونوں حیران ہو کر بولے۔

"اس کام میں میری زبان اس سے دو ہاتھ آگے ہے۔"

"مجھ سے یا میری زبان سے؟" محمود نے اچنبا کر کہا۔

"چلو یہی سہی، تمہاری زبان سے ہی سہی۔"

"تم دونوں کا دماغ تو خراب نہیں۔" ان میں سے ایک نے برا سا منہ بنایا۔

"نہیں جناب، خدا کے فضل و کرم سے ہم دونوں کا دماغ بالکل بخیریت ہے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ان لوگوں کو تو سیدھا کرنے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں، دونوں کو کم از کم ایک ایک ہاتھ کی ضرورت تو ضرور ہی ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"معاف کیجیے گا جناب، ہم تین تین ہاتھوں کا کیا کریں گے، دو دو ہی کافی ہیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

دونوں بڑی طرح جھنجلا اٹھے۔ انہوں نے ایک ساتھ ہاتھ اٹھائے۔ ایک نے فاروق کے گال پر طمانچہ پورے زور سے مارا۔ دوسرے نے مکا محمود کی ناک کا نشانہ لے کر گھمایا۔ دونوں یک دم نیچے بیٹھ گئے، کیونکہ یک دم انہوں نے یہ سوچا تھا کہ اگر یہ دونوں ہاتھ وصول کر لیے گئے تو ان کا حلیہ بگڑ جائے گا اور کہیں میک اپ کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ میک اپ میں فرق آنے کے بعد ان کا بچنا ویسے ہی مشکل ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھپڑ اور مکا آپس میں پورے زور سے ٹکرائے۔ دونوں ہی تلملا اٹھے اور خونخوار انداز میں ان کی طرف جھکے۔ عین اسی وقت انہوں نے اپنے پیچھے آواز سنی:

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

انہوں نے فوراً مڑ کر دیکھا۔ محمود اور فاروق جلدی سے ان کے پاس سے ہٹ کر دیوار کے نزدیک پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی دروازے کی طرف دیکھا۔ انسپکٹر جمشید اور فرزانہ چلے آ رہے تھے۔

○

انہوں نے دونوں ساتھیوں نے جب یہ دیکھا کہ آنے والے اس مکان کے کرایہ دار ہی ہیں تو وہ بے فکری کے انداز میں خود

اور فاروق کی طرف مُڑے، لیکن وہ اب وہاں کہاں تھے۔ اب تو وہ کئی گز دُور کھڑے تھے۔ دونوں نے ان کی طرف قدم بڑھائے۔

"یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

"انہوں نے ہمارے ہاتھ کے تھپڑ اور مکے سے اپنے آپ کو بچایا ہے۔ اب ہم انہیں مزا چکھائیں گے۔"

"لیکن ان کا قصور کیا ہے جناب۔" انسپکٹر جمشید تیزی سے آگے بڑھے۔

"یہ قصور کیا کم ہے کہ ہم انہیں تھپڑ ماریں اور یہ ایک دم نیچے بیٹھ جائیں۔"

"بُری بات ہے ٹونی، پاشا، تمہیں نیچے نہیں بیٹھنا چاہیے تھا۔" پیچھے سے فرزانہ بولی۔

"تو اور کیا کرتے؟" محمود نے منہ بنایا۔

اس وقت تک وہ دونوں محمود اور فاروق کے پاس پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر انہیں مارنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھائے، لیکن اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید بھی ان کے عین پیچھے پہنچ گئے تھے۔

"ٹھہریے جناب، یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" انہوں نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

دونوں جھنجھلا کر پلٹے۔ عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی، نہ صرف وہ بلکہ الوراکا کے دونوں آدمی بھی چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ فرزانہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اور دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر جمشید اور وہ اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر چکے تھے۔ فرزانہ کے دروازہ کھولتے ہی چھ آدمی اندر داخل ہوئے، وہ نیلے رنگ کی وردی میں تھے۔ ان پر نظر پڑتے ہی الوراکا کے آدمی چونک اٹھے۔

"یہ لوگ ہمارے ساتھ جائیں گے۔ ابھی اور اسی وقت۔" ایک نیلی وردی والے نے کہا۔

"لیکن مسٹر الوراکا کو ان پر شک ہے اور وہ ان کی نگرانی شروع کرا چکے ہیں۔" الوراکا کا ساتھی منہ بنا کر بولا۔

"لیکن ابھی تک تم ان لوگوں کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر سکے، ورنہ یہ یہاں نہ ہوتے۔"

"پروفیسر داشپا کو ان کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"یہ پروفیسر جانیں۔ ہمیں تو یہی حکم ملا ہے کہ انہیں ان تک پہنچا دیا جائے۔"

"مسٹر الوراکا اس بات کو پسند نہیں کریں گے۔"

"تو ہم کیا کریں۔ ہم تو پروفیسر کا حکم ماننے پر مجبور ہیں۔"

"بہتر ہوگا کہ تم پہلے مسٹر الوراکا سے بات چیت کر لو۔"

"نہیں اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ پروفیسر نے ایسا کرنے کے لیے نہیں کہا، وہ خود ہی ان سے بات کرتے رہیں گے۔"

"اور اگر ہم تمہیں ان لوگوں کو لے جانے کی اجازت نہ دیں تو۔"

"تو بھی ہم انہیں لے جائیں گے۔"

"اچھا تو میں مسٹر الوراکا کو فون کر رہا ہوں۔" ایک بولا۔

"ضرور کرو، آپ لوگ فوراً ہمارے ساتھ چلیں۔"

"بہت بہتر۔"

انہوں نے جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹا اور ان کے ساتھ ہو لیے۔ الوراکا کے دونوں ساتھی انہیں کینہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک الوراکا کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ جوں ہی وہ دروازے کے نزدیک پہنچے، سلسلہ مل گیا اور اس نے ریسیور میں کہا:

"ہیلو مسٹر الوراکا۔ ان لوگوں کو پروفیسر کے آدمی اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ہم نے انہیں روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہیں مانے۔ آپ کہیے تو ہم انہیں زبردستی روک لیں۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی پروفیسر کے آدمیوں نے پستول اپنی جیبوں سے نکال لیے اور تیزی سے گھر سے باہر نکل

آئے، جہاں دو جیپیں تیار کھڑی تھیں۔

"جلدی سوار ہو جائیے۔ کہیں ہمیں ان سے مقابلہ نہ کرنا پڑ جائے۔" ان میں سے ایک نے کہا اور اچھل کر اگلی جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی اگلی جیپ کے پچھلے حصے میں سوار ہو گئے۔ جب جیپیں مڑ رہی تھیں تو انہوں نے دیکھا۔ الوراکا کے آدمی دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف آئے اور انہوں نے اندھا دھند دونوں جیپوں پر فائر جھونک دیے۔ گولیاں جیپوں کی دیوار سے ٹکرائیں۔ دونوں ڈرائیور انہیں لہراتے ہوئے نکال لے گئے۔ فوراً ہی انہوں نے دو کاریں تعاقب میں روانہ ہوتے دیکھیں۔ ان میں سے ایک وہی سرخ کار تھی۔

"معلوم ہوتا ہے، الوراکا نے مقابلے کا حکم دے دیا ہے۔ تم لوگ بھی اپنے پستول لے کر اپنے منہ ان کی کاروں کی طرف کر لو۔ اگر فائرنگ کا سلسلہ شارع عام پر بھی جاری ہے۔ تو تم بھی ان کاروں پر فائرنگ شروع کر دینا، کیونکہ پروفیسر کا حکم یہی ہے۔" ان کی جیپ والا ڈرائیور بولا۔

"بہت خوب، پھر تو مزا آ جائے گا۔" اس جیپ میں موجود اس کے دو ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔ پھر پچھلی جیپ والوں کو اشاروں میں بتایا کہ کیا کرنا ہے۔ انہوں نے بھی پستول ہاتھوں میں لے لیے اور اپنے منہ کاروں کی طرف کر لیے۔

خوفناک رفتار سے چلتے ہوئے جیپیں اور کاریں شہر سے باہر پہنچ گئیں — اچانک ان کی جیپ والا ڈرائیور زور سے چونکا — ان سے ایک فرلانگ دور چار کاریں سڑک بلاک کیے کھڑی تھیں —

"اوہ ہم گھیر لیے گئے ہیں" اس نے پریشان آواز میں کہا۔

"اگر ہم ان لوگوں کو پروفیسر تک نہ پہنچا سکے تو وہ ہم سے ناراض ہو جائے گا۔"

"جیپیں فوراً دائیں طرف موڑ لیجیے —" اچانک انسپکٹر جمشید نے ان کی گفتگو میں دخل دیا — انہیں اس طرف مٹی کے ٹیلے دکھائی دے رہے تھے —

"کیا مطلب؟ اس سے کیا ہوگا؟" ڈرائیور نے کہا۔

"اس طرف مڑتے ہی ہم سب جیپوں سے چھلانگ لگا کر مٹی کے ان ٹیلوں کی اوٹ لے لیں گے اور ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

"ترکیب اچھی ہے —" یہ کہتے ہی اس نے جیپ کچے میں اتار دی اور پھر دونوں جیپیں ہچکولے کھاتی آگے بڑھنے لگیں۔ پھر جوں ہی پچھلی کاریں سڑک پر اس جگہ پہنچیں، جہاں انہوں نے جیپیں اتاری تھیں — انہوں نے جیپوں سے چھلانگیں لگا دیں۔ اور تیزی سے ٹیلوں کی اوٹ لینے لگے — فوراً ہی سڑک کی طرف سے فائر ہوئے، لیکن اس دوران وہ اوٹ لے چکے تھے —

"کاش، میرے پاس بھی ایک پستول ہوتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا آپ کا نشانہ اچھا ہے؟" ڈرائیور نے کہا۔

"تجربہ کر کے دیکھ لیں۔"

"ٹھیک ہے، میرے پاس دو پستول ہیں — ایک میں آپ کو دے دیتا ہوں، لیکن اس کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ پستول ہم پر ہی نہیں چلے گا۔"

"اپنے مددگاروں پر بھی کوئی گولی چلایا کرتا ہے۔"

"اچھی بات ہے، سب سے پہلے آپ ہی گولی چلا کر دکھائیے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں، آپ کا نشانہ کیسا ہے۔"

"بہت خوب، دیجیے۔"

انہوں نے کہا اور نشانہ لیے بغیر سڑک کی طرف ایک فائر کر دیا — فوراً ہی ایک چیخ فضا میں گونجی۔ اس کے ساتھ ہی اگلی چار کاروں سے لوگ کود پڑے —

کالان صاحب

"شان دار — آپ کا نشانہ تو واقعی لاجواب ہے۔" ڈرائیور خوش ہو کر بولا۔

"مسٹر راجو، وہ سب لوگ مل کر حملہ کرنے والے ہیں۔" ایک نیلی وردی والے نے ڈرائیور کو مخاطب کیا — اس وقت انہیں پتا چلا کہ ڈرائیور کا نام راجو ہے۔

"کوئی بات نہیں، الورا کا کے آدمی مقابلے پر آ ہی گئے ہیں تو ہم بھی کمزوری نہیں دکھائیں گے — جو ہو گا دیکھا جائے گا — پروفیسر خود ہی سمجھتے رہیں گے — تم لوگ بھی تیار ہو جاؤ اور انہیں مہلت ہی نہ دو — مسٹر راحل، میں تمہیں بھی فائر کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ پروفیسر آپ پر کوئی مقدمہ نہیں چلنے دیں گے۔"

"اچھی بات ہے — اب آپ دیکھیے گا، یہ لوگ کس طرح منہ کی کھاتے ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ایک اور آدمی کو نشانہ بنا دیا

اس کے ساتھ ہی انہوں نے دوسرے ٹیلے کے پیچھے چھپے محمود، فاروق اور فرزانہ کو اشارہ کیا کہ وہ بھی اس مقابلے میں حصہ لیں۔ ظاہر ہے، وہ یہ بات اشارتاً ہی کہہ سکتے تھے، آواز دے کر نہیں۔ کیونکہ ان کے پاس ایسے ہتھیار نہیں تھے، جو اعلانیہ استعمال کیے جا سکتے؛ تاہم انہیں اشارہ کرنے کے بعد وہ راجو کی طرف مڑے:

"میرے بچے بھی بہت اچھا نشانہ لیتے ہیں — کیا ان کے لیے پستولوں کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں، میرے پاس اتفاق سے اس وقت دو پستول تھے۔ میرے ساتھیوں کے پاس تو ایک ایک ہی ہے۔ مجھے افسوس ہے۔"

"خیر، کوئی بات نہیں — اس کے باوجود یہ تینوں بھی کام دکھائیں گے — دشمن کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔"

"پھر تو اور بھی مزا آئے گا۔ اب حملہ شروع کریں۔"

ان کی طرف سے سڑک کے نزدیک پوزیشن لینے والوں پر باڑ ماری گئی — ادھر سے بھی فائر کیے گئے، لیکن چونکہ وہ مکمل طور ٹیلوں کے پیچھے تھے، اس لیے ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا — گولیوں کا تبادلہ زور شور سے جاری رہا۔ اس

وقت یہ لوگ شہری حدود سے باہر تھے، اس لیے آزادانہ گولیاں چلا رہے تھے۔۔۔ اگرچہ یہ دن کا وقت تھا۔

فرزانہ کو اچانک ایک عجیب سا احساس ہوا۔۔۔ اس نے تیزی سے مڑ کر دیکھا اور اس کی سٹی گم ہو گئی، اگر اسے چند سیکنڈ کی دیر ہو گئی ہوتی تو ان تینوں پر گولیاں برسائی جا چکی تھیں۔۔۔ اس نے فوراً اپنے لاکٹ کی سوئی دبا کر اس کا رخ ان تین حملہ آوروں کی طرف کر دیا، جو چکر کاٹ کر ان کے عقب میں آ گئے تھے۔۔۔ فوراً ہی ان کے پیروں کے نیچے ایک زوردار دھماکا ہوا اور ان کی چیخیں نکل گئیں۔۔۔ ساتھ ہی وہ زور سے اچھل کر نیچے گرے۔ راجو اور اس کے ساتھیوں نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا اور ان تینوں کو بے ہوش دیکھ کر حیران رہ گئے۔۔۔

"اوہو، ہمارے یہ دشمن ادھر بھی پہنچ گئے تھے۔۔۔ مگر انہیں ہوا کیا ہے۔"

"میں نے اپنے علم کے زور سے انہیں بے ہوش کر دیا ہے۔ آپ انہیں گرفتار کر سکتے ہیں، یا پھر ان پر تین گولیاں ضائع کر دیں۔" فرزانہ مسکرا کر بولی۔

راجو نے پہلے تو اپنے آدمیوں کو سڑک کی طرف توجہ دینے کی ہدایت کی، پھر فرزانہ سے بولا:

"تم نے کیا کہا؟ اپنے علم کے زور سے؟" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں، مجھے سفید جادو آتا ہے۔" فرزانہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"سفید جادو، میں نے اس جادو کا نام پہلی بار سنا ہے۔"

"یہ مذاق کر رہی ہے۔۔۔ ویسے اسے ایسے علم سیکھنے کا خبط ضرور ہے۔۔۔ کیا خبر، اس نے کچھ سیکھ ہی لیا ہو۔" انسپکٹر جمشید نے موجودہ صورت حال کا خیال کرتے ہوئے جلدی جلدی کہا اور پھر سڑک کی طرف فائرنگ کرنے لگے۔۔۔ پھر انہوں نے موقع پا کر اپنے پیچھے پڑے تینوں دشمنوں کو بھی گولی کا نشانہ بنا دیا، کیونکہ خطرہ تھا، وہ ہوش میں آ کر پھر حملہ آور نہ ہوں۔ انہوں نے راجو کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔

اور آخر آدھ گھنٹے کی جنگ کے بعد الوزا کا کے ساتھی سات لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔۔۔ انہوں نے لاشیں وہیں چھوڑیں اور خود پروفیسر وشیا کی طرف روانہ ہوئے۔

"مسٹر راحل، اگر آپ کی بیٹی نے ان حملہ آوروں کو اپنے جادو کے زور سے بے ہوش نہ کیا ہوتا تو اس وقت شاید ہم شکست کھا چکے ہوتے۔۔۔ کیا یہ واقعی سفید جادو جانتی ہے؟" راستے میں راجو نے کہا۔

"جواب دو گرین۔"

"جی ہاں، مجھے تھوڑا بہت سفید جادو آتا ہے۔ ابھی میں پوری طرح ماہر نہیں ہوئی۔" اس نے محتاط انداز میں کہا۔

"اور جناب، تھوڑا سا کالا جادو مجھے بھی آتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اور تمہیں کچھ نہیں آتا۔" راجو نے محمود سے کہا۔

"میرے حصے کے سب کام یہ پہلے ہی کر لیتے ہیں۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"تم تینوں ہو دل چسپ۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں، جیسے ہم کوئی کتاب ہوں۔" فاروق نے منہ بنایا اور راجو اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔ اب ان کا رخ پھر شہر کی طرف تھا۔

"اگر پروفیسر وشپا صاحب شہر میں رہتے ہیں تو پھر آپ نے جنگل کا رخ کیوں کیا تھا؟" محمود نے پوچھا۔

"پروفیسر کی ہمیں ہدایت یہ ہے کہ اگر کبھی الوواکا کے آدمیوں سے مقابلہ ہو جائے تو شہر سے باہر جا کر ان سے مقابلہ کیا جائے اور نتیجے سے انہیں باخبر کر دیا جائے۔"

"پروفیسر وشپا بھی کافی دلیر آدمی نظر آتے ہیں۔"

"ان کی اور الوواکا کی دشمنی بہت پرانی ہے۔" اس نے کہا۔

آدھ گھنٹے بعد وہ ایک محل میں داخل ہوئے اور کافی لمبی راہداری طے کرنے کے بعد انہیں بہت بڑے اور بہترین طرز پر سجے ہوئے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں صرف راجو ان کے ساتھ رہ گیا۔ اس کمرے میں ایک اونچی سی کرسی پر ریچھ نما ایک آدمی بیٹھا تھا۔

"تو یہ ہیں وہ لوگ جو الوواکا کے ہاتھوں بہت پریشان ہیں۔" انہوں نے ایک بہت بھاری بھرکم آواز سنی۔

"جی ہاں۔" راجو نے کہا۔

"انہیں یہاں تک لانے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟" پروفیسر وشپا نے پوچھا۔

"صرف سات لاشیں گرانا پڑیں اور ان سات میں سے پانچ ان لوگوں نے گرائیں۔" راجو نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" پروفیسر چونکا۔

اس پر راجو نے پوری تفصیل سنا دی۔ پروفیسر وشپا کی حیرت کا کیا پوچھنا۔ راجو کے خاموش ہونے پر اس نے کہا:

"مسٹر راحیل کی نشانہ بازی تو خیر سمجھ میں آنے والی بات ہے، لیکن ان بچوں نے تین آدمیوں کو کس طرح بے ہوش کر دیا تھا۔"

"ان کا کہنا ہے کہ انہیں سفید جادو آتا ہے۔"

"سفید جادو؟" وشپا کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"جی ہاں، ان کا کہنا یہی ہے، بلکہ دوسرے لڑکے کا کہنا یہ ہے کہ اسے کالا جادو آتا ہے۔"

"کیوں بھئی، کیا آپ لوگ اپنے جادو کا کمال دکھا سکتے ہیں۔" وشپا نے حد درجے دل چسپی لیتے ہوئے کہا اور انسپکٹر جمشید منہ بنانے لگے۔ فرزانہ فوراً بولی۔

"جی ہاں جناب کیوں نہیں، کیا آپ کے پاس بے ہوش کرانے کے لیے کچھ آدمی ہیں؟" اس کا انداز مداریوں کا سا تھا۔

"آدمی بہت ہیں۔ راجو، پھر سات آدمیوں کو اندر بلا لو۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"آپ لوگ میرے مہمان ہیں، تشریف رکھیے اور اب انورا کا خوف دل سے نکال دیجیے۔ وہ اب آپ کو تنگ نہیں کر سکے گا۔ اس کی پہنچ اس محل تک نہیں ہے۔"

"شکریہ جناب، ہم یہاں سیاحت کی غرض سے آئے تھے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہمیں اپنی زندگیوں کے لالے پڑ جائیں گے۔"

"اب آپ لوگ بے فکر ہو کر سیاحت بھی کر سکیں گے اور اگر واپس جانا چاہیں تو واپس بھی جا سکیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔"

"بھئی اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔ میں اپنا معاوضہ لوں گا۔" پروفیسر ہنسا۔

"ضرور جناب، آپ مطمئن رہیں۔ ہم اسی وقت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"ٹھیک ہے، وہ تو خیر پہلے ہی دینا ہوگا۔"

اسی وقت راجو اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے سات آدمی تھے۔

"ہاں تو اب میں آپ لوگوں کا کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بہتر، آپ ان میں سے جس شخص کو بھی بے ہوش دیکھنا چاہیں، اس کی طرف اشارہ کر دیں۔"

"ٹھیک ہے، سہرے والے کو بے ہوش کر کے دکھائیں۔"

"آپ ادھر آ جائیں۔" فرزانہ نے سہرے والے کو ایک طرف ہونے کا اشارہ کیا اور وہ پریشان صورت لیے اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔

"دیکھیے جناب، میں اپنا علم پڑھوں گی۔ اس شخص کے پیروں میں ایک دھماکا ہوگا اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکلے گی، یہ اچھلے گا اور بے ہوش ہو جائے گا۔"

"ارے باپ رے۔ پروفیسر، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟"

"کچھ نہیں بھئی، تم گھبراؤ نہیں۔ میں ذرا ان لوگوں کا کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہیں کوئی چوٹ نہیں آئے گی۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟" اس نے بعد والا جملہ فرزانہ سے کہا تھا۔

"جی ہاں، انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بس تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو جائیں گے۔"

"میں یہ کرتب دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔" اس نے کہا۔ وہ واقعی ایک بچے کی طرح بے چین نظر آ رہا تھا۔

فرزانہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔ ساتھ ہی اس نے غیر محسوس طور پر لاکٹ کو پکڑ کر اس کی سوئی دبا دی۔ اپنا رخ پہلے ہی اس نے اس آدمی کی طرف کر لیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے قدموں میں دھماکا ہوا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر پڑا۔ اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ پروفیسر وشپا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اور اب میں اپنا کالا جادو دکھاتا ہوں۔ آپ ان میں جس کی طرف بھی اشارہ کریں گے، میں اسے تھوڑی دیر کے لیے اندھا کر دوں گا۔"

"بہت خوب، یہ نظارا بھی میرے لیے حد درجے دلچسپ ہوگا۔ سہرے والے کو اندھا کر کے دکھاؤ۔"

"ادھر آ جائیے جناب ڈریے نہیں۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔"

دوسرا آدمی بھی سہمے ہوئے انداز میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔ فاروق نے اپنا بال پوائنٹ قلم پہلے ہی ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس نے بھی چند اوٹ پٹانگ لفظ منہ سے نکالے اور قلم کو دبا دیا۔ فوراً ہی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی روشنی چمکی اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ پھر وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھتا چلا گیا۔

"بہت خوب، مزا آ گیا۔ مسٹر راحل، کیا آپ کے تیسرے بیٹے نے ایسا کوئی کمال نہیں سیکھا۔"

"میں کہہ نہیں سکتا جناب، یہ خود ہی ایسے کاموں میں الجھے رہتے ہیں۔ شاید اسے بھی کچھ آتا ہو۔" انہوں نے کہا۔ اب وہ بھی اسے اپنے حق میں مفید خیال کر رہے تھے کہ پروفیسر وشپا ان سے خوش ہو جائے۔ انہوں نے محمود کو اشارہ بھی کیا اور بولے:

"کیوں بھئی ٹوٹی، کیا تم بھی کچھ کمال دکھا سکتے ہو؟"

"اگر اجازت مل جائے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"اجازت ہے۔"

اور تھوڑی دیر بعد محمود اپنی انگوٹھی کے ذریعے ایک آدمی کے جسم کو سن کر چکا تھا۔ پروفیسر وشپا کی آنکھیں حیرت سے پھیل چکی تھیں۔ پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"راجو، میں ان لوگوں سے تنہائی میں بات کروں گا۔ انہیں

○

پروفیسر وشپا کے سونے کا کمرہ ایسا ہی تھا جیسے اس شخص کے پاس قارون کا خزانہ ہو — ہر چیز سے دولت منڈی ٹپک رہی تھی۔ ان کے پاؤں قالین میں دھنسے جا رہے تھے — راجو انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے چلا گیا۔ صرف چند منٹ بعد وہ دبلا پتلا سا آدمی اندر داخل ہوا اور ان کے سامنے کرسی پر بیٹھنے کی بجائے اپنے بستر میں گھس گیا اور گاؤ تکیے سے کمر لگا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

سب سے پہلے تو تمہیں یہ بتانا ہو گا کہ تم لوگ کون ہو۔ میں اگرچہ اس ملک میں انولاکا کا سب سے بڑا دشمن ہوں، لیکن یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ اس سے زیادہ تیز چھٹی حس والا آدمی ہمارے پورے ملک میں نہیں۔ لہذا اگر اسے تم لوگوں پر شک ہے تو پھر ضرور تم لوگ درست آدمی نہیں ہو گے، لیکن مجھے اس سے غرض نہیں — میں تو ایک عرصے سے اس شخص کو کوئی زبردست قسم کی چوٹ دینے کی فکر میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں، وہ تمہارے خلاف کچھ ثابت بھی نہ کر سکے اور تم اس ملک سے فرار

بھی ہو جاؤ — لہذا میں صاف صاف سننا چاہتا ہوں کہ تم لوگ کون ہو" یہاں تک کہہ کر وشپا خاموش ہو گیا۔ چند سیکنڈ کے لیے انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچا، پھر بولے:

"ہم سیاح ہیں اور بس — ہو سکتا ہے، انولاکا کی چھٹی حس نے اس سے پہلے کبھی کوئی غلطی نہ کی ہو، لیکن اس مرتبہ اس سے ضرور غلطی ہوئی ہے"

"چلو خیر — اب تم یہ بتاؤ کہ ابھی ملک کی سیاحت کرنا چاہتے ہو یا فوراً واپس روانہ ہونا؟" اس نے کہا۔

"آئے تو سیاحت کے لیے ہی تھے، لیکن جب سروں پر تلواریں لٹک رہی ہوں تو کون سیاحت کرے گا"

"میرے آدمیوں کی نگرانی میں تم لوگ سیاحت کا شوق بھی پورا کر سکتے ہو"

"نہیں جناب، البتہ ہو سکے تو میری ایک خواہش کسی طرح پوری کرا دیں"

"ضرور بتاؤ" اس نے کہا۔

"سیاحت کے ساتھ ساتھ دراصل میں ایک کتاب بھی لکھ رہا ہوں — اس کتاب میں موجودہ دور کے مشہور ترین آدمیوں کے حالاتِ زندگی قلم بند کر رہا ہوں — آپ کے ملک کے کسی ڈبل ایجنٹ کی شہرت میں نے بہت سنی ہے — سنا ہے، اس بار انہوں

نے دشمن ملک سے جنگ میں بہت ہی شاندار کامیابی حاصل
کی ہے۔"

"ارے تم مسٹر کالاں کی بات کر رہے ہو۔ وہ تو میرے بہت
اچھے دوست ہیں — میں آج ہی تمہاری ان سے ملاقات کرادوں
گا، لیکن اس کے بعد تمہارا پروگرام کیا ہے؟"

"اس کے بعد ہم اس ملک سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"تو پھر میرا معاوضہ میرے حوالے کر دو — تمہیں اس ملک
سے باہر بھیج دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"معاوضہ ہم ساتھ لانا نہیں بھولے — ڈاکٹر بھٹنام نے
ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ میرے بہت اچھے ایجنٹ ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ
راکیل ....."

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، اس نے چونک کر ریسیور اٹھایا
"ہیلو۔" ہیلو کہتے وقت اس کی آواز اور بھی بھاری
بھرکم اور بارعب ہو گئی — دوسری طرف کی بات سن کر اس
کی پیشانی پر بل پڑ گئے — پھر اس نے کہا:

"ٹھیک ہے، سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے رہو اور
پل پل کی رپورٹ مجھے دیتے رہو — اس بار شاید مقابلہ بہت
شان دار ہو گا۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ان سے

بولا:

"انوارا کا حرکت میں آ گیا ہے — وہ بڑے پیمانے پر تم لوگوں
کو پکڑنے کے انتظامات کر رہا ہے۔ شاید اس سلسلے میں صدر صاحب
سے بھی بات کرے گا — تم رقم گنو، میں کالاں کو فون کر کے یہاں
آنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

انسپکٹر جمشید اپنے بریف کیس سے نوٹوں کے بنڈل نکال
نکال کر میز پر رکھنے لگے — ادھر وشپا پھر نمبر گھما رہا تھا۔ جلد
ہی سلسلہ مل گیا اور اس نے کہا:

"کامریڈ کالاں، کیا حال ہے! میں نے فون اس لیے
کیا ہے کہ آپ ذرا میرے بنگلے پر آ جائیں۔ ایک ضروری کام
ہے — ہاں ہاں، یہیں آنے پر بتاؤں گا۔ بہت بہت شکریہ۔"

"آپ راکیل کے بارے میں کچھ کہنے جا رہے تھے۔"

"وہ، کوئی خاص بات نہیں تھی — تم جلدی سے گنتی پوری
کر لو — کالاں کو یہاں نوٹ نظر نہیں آنے چاہییں، وہ بہت
بھوکا آدمی ہے — اگر اس نے نوٹوں کی خوشبو محسوس کر لی تو
پھر اس وقت تک کچھ نہیں بتائے گا، جب تک کہ اسے بھی
چند پیکٹ نہ دیے جائیں۔"

"بہت بہتر۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ خاموش تھے — انہیں شدید الجھن

سی محسوس ہو رہی تھی کہ نہ جانے وشپا داکیل کے بارے میں کیا کہنا چاہتا تھا — پیکٹ گن کر انسپکٹر جمشید نے وشپا سے کہا۔

"گن لیجیے۔"

"گننے کی کیا ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر اس نے جلدی جلدی پیکٹ اٹھائے اور اپنی تجوری میں رکھ لیے — اسی وقت ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"کالان صاحب تشریف لائے ہیں جناب۔"

"انہیں یہیں لے آؤ۔"

دوسرے ہی لمحے انہوں نے ایک قد آور آدمی کو اندر آتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے لالچ ٹپک رہا تھا —

چھلانگ

"ہیلو پروفیسر، مزاج تو اچھے ہیں — آج مجھے کیسے یاد فرمایا — ارے یہ کون لوگ ہیں —" اس نے چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"انہی لوگوں کے لیے آپ کو تکلیف دی ہے — یہ میرے بہت ہی خاص مہمان ہیں — مسٹر داحل ایک سیاح ہیں — یہ تینوں ان کے بچے ہیں۔ یہ بھی ان کے ساتھ سیاحت پر نکلے ہیں۔ مسٹر داحل سیاحت کے ساتھ ساتھ ایک کتاب بھی لکھ رہے ہیں۔ یہ اس کتاب میں دنیا کے مشہور ترین آدمیوں کی زندگی کے حالات لکھ رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ آپ سے بھی ملنے کے خواہشمند تھے؛ چنانچہ میں نے انہیں آپ سے ملانے کا وعدہ کر لیا تھا، امید ہے آپ انہیں مایوس نہیں کریں گے — مسٹر داحل کے تینوں بچے حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک بھی ہیں — آپ ان کے کمالات دیکھ کر بہت ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔" پروفیسر وشپا کہتا

چلا گیا۔

"کیا مطلب؟" کالان چونکا۔

"مطلب یہ کہ انہیں کالا علم قسم کے علم آتے ہیں۔"

"اوہو، اچھا۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، آپ ان سے بات چیت کریں۔ میں اتنی دیر میں ذرا دو چار معاملات نبٹا لوں۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور پروفیسر وشپا کمرے سے نکل گیا۔ کالان فوراً ہی اٹھا اور دروازہ بند کر دیا، پھر سرگوشی کے انداز میں بولا:

"پروفیسر نے تم سے کتنا روپیہ حاصل کیا ہے؟"

"پچیس ہزار۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"میری زندگی کے حالات کے لیے تم کیا دو گے؟"

"جو آپ کہیں، ہم کوئی غریب آدمی نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔

"تو پھر نکالو دس ہزار روپے۔"

"ضرور، ضرور۔" یہ کہہ کر انھوں نے نوٹوں کا ایک پیکٹ کالان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ ہوئی نا بات۔ اب پوچھو کیا بات ہے، پھر مجھے تمھارے بچوں کا کمال بھی دیکھنا ہے۔"

"دیکھیے جناب، میں آپ سے جو سوالات کرنا چاہتا ہوں، وہ اتنی جلدی ختم نہیں ہوں گے۔ کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ کل ہم آپ کی جائے رہائش پر آ جائیں اور وہاں بیٹھ کر باتیں کریں، ساتھ ہی آپ ان کے کمالات بھی دیکھ لیں۔"

"ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا، لیکن تم لوگ میرے ساتھ اسی وقت کیوں نہیں چلتے۔"

"ایسا ہی کیے لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے: "لیکن پہلے ہمیں پروفیسر وشپا سے اجازت لینا پڑے گی۔"

"تم ان کی فکر نہ کرو۔ میں ابھی ان سے بات کر لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور وشپا کے بستر کے ساتھ ہی دیوار پر لگا گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ساتھ ہی دروازہ اندر سے کھول دیا۔ فوراً ہی ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"فرمایئے جناب۔" اس نے باادب لہجے میں کہا۔

"پروفیسر صاحب سے کہو، ذرا ایک منٹ کے لیے یہاں آ جائیں۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور واپس مڑ گیا۔

جلد ہی پروفیسر پھر اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

"خیر تو ہے کالان صاحب، اتنی جلدی میری کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"ان کے سوالات جلد ختم ہونے والے نہیں ہیں، لہذا میں ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں، تاکہ میرے بچے ان کے کمالات بھی دیکھ لیں، اور یہ مجھ سے اپنے سوالات بھی نہایت اطمینان سے کر لیں۔"

"اوہ!" پروفیسر کے منہ سے نکلا۔

"کیوں، اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟"

"دراصل ان لوگوں پر انوراکا کی نظریں جمی ہیں، میں انہیں اس سے بچانا چاہتا ہوں۔"

"اوہو، یہ میں کیا سن رہا ہوں۔"

"یہی بات ہے۔"

"تو کیا انوراکا کو ان پر کسی قسم کا شک ہے۔"

"ہاں، لیکن وہ اپنے شک کو ثابت نہیں کر سکا۔ وہ ان لوگوں کی پوری طرح نگرانی کرا چکا ہے۔ ان کی تلاشی بھی لے چکا ہے۔ ان کے پاس سے کچھ بھی نہ نکلا۔ یہ بالکل بے ضرر لوگ ہیں۔ میرے آدمیوں کا کہنا بھی یہی ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں، تم اپنے آدمیوں کی دو کاریں ہمارے پیچھے روانہ کر دو۔ ایک بار میں گھر پہنچ گیا تو انوراکا کچھ نہیں

کر سکے گا۔"

"اچھا، جیسے آپ کی مرضی، آیئے میرے ساتھ۔ تم لوگ ذرا یہیں ٹھہریں۔" پروفیسر وشپا نے پہلے کالان سے اور پھر ان سے کہا۔

دونوں باہر نکل گئے۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید نے محمود کے کان میں کچھ کہا۔ فاروق اور فرزانہ کچھ نہ سمجھ سکے۔ اسی وقت وشپا پھر اندر آیا اور ان سے بولا:

"آؤ بھئی۔"

وہ ان کے پیچھے چلتے ہوئے باہر نکل آئے۔ کالان کی بہت ہی کار تیار کھڑی تھی اور کالان کا ڈرائیور ان کے لیے دروازے کھولے کھڑا تھا۔ کالان جب اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا تو اس نے پچھلا دروازہ کھولا اور سب سے پہلے فرزانہ اندر داخل ہوئی، پھر فاروق، لیکن جب محمود اندر داخل ہونے لگا تو ڈرائیور اچانک گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

"ارے، اسے کیا ہوا؟" کالان پیچھے مڑتے ہوئے بوکھلا کر بولا۔

"پتا نہیں، کھڑے کھڑے گر گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب کیا کریں۔" کالان کے منہ سے نکلا۔

"گاڑی میں چلا لیتا ہوں۔ اسے پچھلی سیٹ پر میرے بچے سنبھال کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کسی ڈاکٹر کو راستے میں دکھاتے

چلیں گے۔"

"نہیں، ہم رک نہیں سکیں گے۔ انوراکا کے آدمی تعاقب میں ہوں گے۔ میں شارعِ عام پر ان سے جھگڑنا مناسب نہیں سمجھتا، لہٰذا ہم سیدھے گھر جائیں گے اور وہیں ڈاکٹر کو بلا لیں گے۔"

"چلیے یونہی سہی۔" انسپکٹر جمشید نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بھئی تم ڈرائیونگ میں ماہر تو ہو؟"

"جی ہاں، آپ فکر نہ کریں۔" یہ کہتے ہی انہوں نے کار چلا دی۔ ان کے روانہ ہوتے ہی دو کاریں ان کے پیچھے چل پڑیں۔ ان میں وشپا کے آدمی بھرے تھے۔ کالان کی کار میں پچھلے حصے میں ڈبل سیٹیں تھیں۔ یعنی جس سیٹ پر محمود، فاروق اور فرزانہ بیٹھے تھے، اس سے پیچھے بھی ایک سیٹ تھی۔

"سیدھے چلنا ہے۔" کالان بولا۔

انسپکٹر جمشید رفتار غیر محسوس طور پر بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ جلد ہی وشپا کے آدمیوں کی کاریں پیچھے رہ گئیں۔

"تم کار بہت تیز چلا رہے ہو۔ دونوں کاریں پیچھے رہ گئی ہیں۔ اگر ایسے میں آگے سے انوراکا کے آدمی آ گئے، تو ہم الجھ جائیں گے۔ اس لیے ہمیں ان کے ساتھ ساتھ چلنا

چاہیے۔" کالان نے ذرا تیز آواز میں کہا۔

"بہت بہتر۔ میں تو ذرا آپ کو اپنی ڈرائیونگ دکھا رہا تھا۔" یہ کہہ کر انہوں نے کار کی رفتار یک دم آہستہ کر دی اور پھر فوراً ہی کار بائیں طرف موڑ دی۔

"ارے ارے، یہ کیا کر رہے ہو؟"

"آپ نے شاید دیکھا نہیں، سامنے سے انوراکا کے آدمیوں کی تین کاریں آ رہی تھیں۔"

"لیکن میں نے کاریں آتی نہیں دیکھیں۔ تم ضرور کوئی چال چل رہے ہو۔" یہ کہتے ہی اس نے پیٹی میں سے اپنا پستول نکال لینا چاہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اسے ایک دھکا سا لگا۔

"ارے میرا پستول کہاں گیا؟"

"وہ اب میری جیب میں حفاظت سے رکھا ہے۔ جس طرح آپ کا ڈرائیور بے ہوش ہو گیا تھا، بالکل اسی طرح آپ بھی بے ہوش ہو سکتے ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں اگر ہم نے آپ کو پوری رفتار سے چلتی کار سے اگر نیچے پھینک دیا تو یہ کوئی خوشگوار بات نہیں ہوگی۔ آپ زندہ بھی بچ گئے تو بری طرح زخمی ضرور ہو جائیں گے۔ شاید آپ کی ٹانگیں یا بازو آپ کے جسم کو الوداع کہہ جائیں گے۔ اس صورت میں آپ فوج کے

کی ٹڈا ایجنٹ بھی نہیں رہ سکیں گے۔ اور پھر پروفیسر وشپا جیسے
لوگ آپ کو کوئی حصہ نہیں دیا کریں گے، لہٰذا آپ کے لیے
بہتر یہی ہے اور عقل مندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ خاموشی
سے بیٹھیں رہیں اور اگر کوئی پولیس کی گاڑی یا کوئی بھی کار
کو روکنے کا اشارہ کرے، تو سے اپنا مخصوص نشان دکھاتے رہیں،
تاکہ ہمیں کوئی نہ روک سکے۔"

اس دوران کار کی رفتار اس حد تک تیز ہو چکی تھی کہ وہ
سڑک سے کئی کئی انچ اوپر اٹھ رہی تھی۔ وشپا کے آدمیوں کی
کاریں اب نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں
نے کار کی رفتار یک دم آہستہ کرتے ہوئے کار دائیں طرف کی
سڑک پر موڑ دی تھی۔ پیچھے آنے والی کاریں تیزی سے آ رہی
تھیں، اس لیے مڑ نہیں سکی ہوں گی اور آگے نکل گئی ہوں
گی۔ اب وہ کاریں بیک کر کے ہی اس سڑک پر آ سکتے تھے۔
اس دوران وہ ان سے کافی فاصلے پر نکل آئے تھے اور برابر
رفتار بڑھا رہے تھے۔ ہر چوک سے گزرتے ہوئے پولیس کی
سیٹیاں ان کا استقبال کر رہی تھیں، مگر کالان نے اپنا ایک
ہاتھ باہر نکال رکھا تھا۔ اس میں فوج کی ایک خاص قسم کی
چھوٹی سی جھنڈی لہرا رہی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کار
میں فوج کا ایک بڑا افسر جا رہا ہے، اسے روکنے کی کوشش

نہ کریں، کیونکہ وہ بہت اہم کام جا رہا ہے۔ کئی بار کار سامنے
سے آنے والی کاروں سے ٹکراتے ٹکراتے بال بال بچی تھی۔
ایک بار تو بچانے کی کوشش میں الٹتے الٹتے بچی۔ کالان کا
رنگ فق ہو گیا تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ساکت بیٹھے
تھے۔ فاروق اور فرزانہ نے ڈرائیور کو اپنے پیروں کے پاس دبا
رکھا تھا، جب کہ محمود کالان کی گردن کے بالکل نزدیک ہاتھ
رکھے بیٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ کالان کوئی حرکت کرتا، یا
چیخنے کی کوشش کرتا، وہ انگوٹھی کی نوک اس کی گردن سے
چھو دیتا۔ انسپکٹر جمشید اسے پہلے ہی یہ ہدایت دے چکے تھے اور
ان کی ہدایت پر ہی محمود نے ڈرائیور کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔

"میرے بیٹے کا ہاتھ عین تمہاری گردن پر ہے۔ جوں ہی تم
کوئی حرکت کرو گے۔ اپنے ڈرائیور کی طرح بے ہوش ہو جاؤ گے۔
ہمیں شہر سے باہر نکلنا ہے۔ جلدی بتاؤ، کون سی سڑک پر مڑیں۔
اگر تم نے غلط راستہ بتایا تو تمہارا انجام بہت بھیانک ہوگا۔ اور اگر
ہدایت پر عمل کیا تو ہم تمہاری زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔"

"ٹھیک۔ ٹھیک ہے، اگلے چوراہے سے بائیں طرف موڑ لینا۔
مجھے اپنی زندگی بہت پیاری ہے۔ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میں
میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"تم کی ٹڈا ایجنٹ ہو؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اں کیوں ؟"

"کمانڈر ایجنٹ اتنے بزدل تو نہیں ہوتے۔"

"اسے شاید لالچ نے بزدل بنا دیا ہے۔" پیچھے سے فرزانہ نے کہا۔

"ضرور یہی بات ہے۔"

چوراہا آتے ہی انھوں نے کار بائیں طرف موڑ لی۔

"تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" کالان کے لہجے میں حیرت تھی — آواز تھرتھر کانپ رہی تھی۔

"تمہارے ملک میں ایک آدمی بہت عقل مند ہے۔" انسپکٹر جمشید اس کی بات کا جواب دیے بغیر بولے۔

"کیا مطلب؟" کالان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، انوا کا بہت عقل مند ہے — اس نے ہمارے بارے میں بالکل درست اندازہ لگایا تھا — ہم غیر ملکی جاسوس ہی ہیں۔"

"کیا!" کالان نے چیخ کر کہا — خوف سے اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، لیکن تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں — اگر تم نے کوئی غلط حرکت نہ کی تو تمہیں ضرور زندہ چھوڑ دیا جائے گا، البتہ تمہارے ڈرائیور کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"مجھے ڈرائیور کی نہیں، اپنی زندگی کی فکر ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے — ہمارا پوری طرح ساتھ دو — تم زندہ چھوڑ دیے جاؤ گے۔"

"تم کون ہو؟ کیا تم اپنا نام بتانا پسند کرو گے؟"

"اگر تمہیں زندہ چھوڑنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اس صورت میں نام بتا سکتا تھا، اب نہیں۔" وہ مسکرائے۔

پچھلی کاروں کا اب دور دور تک پتا نہیں تھا — ان کی کار لمحہ بہ لمحہ شہر سے دور ہوتی جا رہی تھی اور اب گھنے درختوں اور پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں، تم کیا چاہتے ہو؟"

"ذرا دیر اور صبر کرو — ہم اتنی دور نکل جانا چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری گرد کو بھی نہ چھو سکے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن تمہیں تو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ راستہ کہاں لے جاتا ہے۔"

"کسی دوسرے شہر لے جاتا ہوگا۔" انھوں نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں، بلکہ یہ ایک اور ہی سمت میں لے جاتا ہے۔"

"تو کیا اس سمت میں جانا ہمارے لیے خطرناک ہے؟"

محمود نے جلدی سے پوچھا — اس کا ہاتھ بدستور کالان کی گردن

سے لگا ہوا تھا۔

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"اگر اس سمت میں سفر کرنا ہمارے لیے خطرناک ہے تو پھر تم نے ہمیں یہ بات کیوں بتائی؟" فرزانہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس لیے کہ تمہاری زندگیوں کو خطرہ میرے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہو گا۔"

"بہت خوب، اب تم عقل مندی کی باتیں سوچ رہے ہو۔ اب یا تو تم یہ بتا دو کہ آگے کیا ہے؛ ورنہ ہم سیدھے اسی سمت میں چلتے رہیں گے۔"

"نہیں، میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس طرف تمہارے لیے خطرات ہی خطرات ہیں۔"

"اللہ مالک ہے۔ خطرات کا اور ہمارے راستوں کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں مجبور ہوں۔ تم لوگوں کو کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"کیوں؟" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

"اس لیے کہ یہ قوم اور ملک سے غداری ہو گی۔"

"تو پھر خاموش بیٹھے رہو۔" انسپکٹر جمشید برا سا منہ بنا کر بولے۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔ اس ملک سے باہر تو تمہیں وشپا ہی پہنچا دیتا، پھر اس گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی؟"

"پروفیسر وشپا تک تو ہم صرف اس لیے پہنچے تھے کہ کس طرح الورا کا کے آدمیوں سے نجات مل جائے۔ میں یہ بات سمجھ گیا تھا کہ راکیل پروفیسر وشپا کا ایجنٹ ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ڈاکٹر بھنام وشپا کا ایجنٹ ہے۔ اسی لیے اس نے ہمیں ڈاکٹر کے پاس جانے کا مشورہ دیا تھا، اگر گرین کے چوٹ نہ آتی تو بھی وہ ہمیں کسی نہ کسی بہانے ڈاکٹر کے پاس ضرور بھیجتا اور ڈاکٹر ہمیں پروفیسر وشپا کی پناہ لینے کا مشورہ دیتا۔ راکیل اپنے تینوں مکانوں کو اسی لیے کرائے پر دیتا ہے کہ جوں ہی الورا کا کو ان میں سے کسی پر شک ہو، وہ اسے الورا کا کے بارے میں بتا کر حد درجے خوف زدہ کر دے۔ اور پھر کسی نہ کسی طرح پروفیسر تک انہیں پہنچا دے۔ میں حیران ہوں کہ ابھی تک الورا کا اس بات کو کیوں نہیں سمجھا۔"

"اس لیے کہ ہر روز تو راکیل کے مکانوں میں مشتبہ لوگ آ کر نہیں ٹھہرتے۔ ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے۔ رہی پروفیسر وشپا کی بات تو اس نے مختلف ہوٹلوں میں بھی اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں۔" کالان نے بتایا۔

"اوہ، تو پروفیسر وشپا اس وقت واکیل کے بارے میں یہی بات بتاتے بتاتے رہ گئے تھے" فرزانہ چونکی۔

"پھر اگر تم یہ سب کچھ اس ملک سے فرار ہونے کے ارادے سے نہیں کر رہے تو اور کیا غرض ہے۔ آخر مجھے بتا دینے میں کیا حرج ہے؟"

"بتائیں گے مسٹر کالان، ضرور بتائیں گے، فکر مند نہ ہوں"

اب وہ شہر سے بالکل باہر نکل آئے تھے۔ ایک جگہ اچانک انسپکٹر جمشید نے کار کچے میں ڈال دی اور درختوں میں سے نکالتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ کار بری طرح ہچکولے کھا رہی تھی۔ اور جب سڑک سے اتنی دور آ گئے کہ کسی کو غور سے دیکھنے پر بھی سڑک سے نظر نہیں آ سکتے تھے تو انہوں نے کار روک لی اور نیچے اترتے ہوئے بولے:

"مسٹر کالان، اب آپ نیچے اتر آئیں۔ محمود، ان کی گردن سے ہاتھ ہٹا لو" یہ کہتے ہوئے انہوں نے جیب سے پستول نکال لیا۔ کالان کا رنگ اڑ گیا۔ آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ تھرتھراتی ہوئی آواز میں اس نے کہا:

"تم، تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"ڈرائیور کو باہر کھینچ لو" انسپکٹر جمشید نے اس کی بات کی طرف توجہ دیے بغیر محمود، فاروق اور فرزانہ سے کہا۔ انہوں نے

فوراً تعمیل کی۔ ڈرائیور ابھی تک بے ہوش تھا۔

"اب تم اس کے کپڑے اتار لو"

"کپڑے اتار لیں؟" محمود نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں بھئی جلدی کرو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے"

"جی بہت بہتر" محمود نے کہا اور فاروق کی مدد سے اس کے کپڑے اتارنے لگا۔ فرزانہ ہاتھ میں لاکٹ تھامے کالان کی طرف رخ کیے چوکس کھڑی تھی۔

"لیجیے ابا جان، کپڑے اتر گئے۔ اب کیا کریں؟"

"ادھر آؤ، کپڑے مجھے دے دو اور یہ پستول خود سنبھال لو" انہوں نے محمود سے کہا۔

جوں ہی انہوں نے پستول محمود کو تھمانا چاہا، کالان نے ان پر چھلانگ لگا دی۔

دشمن آ گئے

فرزانہ نے فوراً ہی لاکٹ کی سوئی دبا دی ۔ کالان کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی ۔ اس کے پیروں کے پاس دھما کا ہوا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا ۔

"یہ کیا کیا فرزانہ؟" انسپکٹر جمشید ناخوش گوار لہجے میں بولے ۔

"کیوں ابا جان، کیا میں نے غلطی کی؟" فرزانہ بوکھلا اٹھی ۔

"ہاں، اب ہمیں اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا پڑے گا ۔ اس دوران یہ ڈرائیور بھی ہوش میں آ جائے گا جب کہ میں جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جانے کی فکر میں تھا۔"

"اوہ، مجھے بہت افسوس ہے ابا جان، دراصل میں گھبرا گئی تھی کہ کہیں یہ پستول پر نہ جھپٹ پڑے۔"

"میں پوری طرح ہوشیار تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے "خیر کوئی بات نہیں ۔ میں یہ کپڑے پہنتا ہوں ۔ تم اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔"

"آخر آپ کا پروگرام کیا ہے؟"

"ابھی کچھ نہ پوچھو، ہو سکتا ہے، یہ ڈرائیور ہوش میں آ چکا ہو اور جان بوجھ کر بے ہوش بنا پڑا ہو ۔ میں بلاوجہ اسے جان سے مارنا بھی پسند نہیں کروں گا ۔ ہاں، تم کالان کے ساتھ اس کا بھی دھیان رکھو۔" یہ کہہ کر وہ درختوں کی اوٹ میں ہو کر ڈرائیور کی وردی پہننے لگے ۔ آخر ان کی طرف آتے ہوئے بولے:

"اب میں مسٹر کالان کا ڈرائیور ہوں، تم ان کے مہمان ہو۔"

"جی کیا مطلب؟" تینوں چونک کر بولے ۔

"مطلب بھی ابھی سمجھ میں آ جائے گا ۔ ذرا پہلے میں اس ڈرائیور کے ہاتھ باندھ لوں ۔ پیر اس لیے نہیں باندھوں گا کہ اس صورت میں تو یہ یہیں پڑا رہ جائے گا اور اگر دو چار دن تک کوئی ادھر نہ آیا تو اس کی موت واقع ہو جائے گی ۔ ہم اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ادھر واپس آ سکیں گے یا نہیں ۔"

انھوں نے جلدی جلدی اپنے بیگ میں سے رسی نکالی اور اس کے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھنے لگے ۔ انھوں نے محسوس کیا، وہ ہوش میں آنے کی تیاری کر رہا ہے؛ چنانچہ انھوں نے دائیں ہاتھ کی ہڈی اس کی کنپٹی پر زور سے رسید کی اور وہ پھر بے ہوش ہو گیا ۔ انسپکٹر جمشید اسے اٹھا کر کافی دور رکھ آئے ۔

اس دوران محمود، فاروق اور فرزانہ برابر کالان کو جھنجوڑتے رہے تھے۔ آخر چند منٹ کی کوشش کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں:

"ہم، مجھے کیا ہوا تھا؟"

"میں نے سفید علم پڑھ دیا تھا۔" فاروق بولا۔

"اوہ، کیا واقعی؟"

"ہاں، ایسے ایسے کام ہم چٹکی بجاتے میں کر سکتے ہیں۔" محمود بولا۔

"اچھا مسٹر کالان، اب میں آپ کو اپنا پروگرام بتاتا ہوں۔ تم ذہنی طور پر چاق و چوبند ہو نا؟"

"ہاں، میں بالکل.... ارے، میرا ڈرائیور کہاں گیا؟"

"اس کے بارے میں نہ سوچو، وہ اب دُور جا چکا ہے۔"

"کک — کیا تم نے اسے مار ڈالا ہے؟"

"میں اس راز میں کسی دوسرے کو تمہارے علاوہ شریک نہیں کر سکتا تھا۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے —

کالان ان کی بات سُن کر ساکت رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں —

"تم دیکھ ہی چکے ہو، ادھر تم نے چھلانگ لگائی تھی، ادھر تمہارے پیروں تلے ایک دھماکا ہوا اور تم بیہوش ہو گئے تھے —

کہو تو ایسے دو چار تماشے اور بھی دکھا دیں — مثلاً میرا یہ لڑکا اگر اپنے ناخن سے تمہارے جسم پر خراش بھی ڈال دے تو تمہارا جسم سن ہو جائے گا اور تم بالکل بے ہوش ہو جاؤ گے، جس طرح تمہارا ڈرائیور ہوا تھا اور اگر یہ لڑکا چاہے تو ایک سیکنڈ میں تمہیں تھوڑی دیر کے لیے اندھا بنا سکتا ہے۔"

"آخر تم لوگ کون ہو، کیا چاہتے ہو — اف خدایا، تم نے میرے ڈرائیور کو ہلاک کر دیا؟"

"اس کا خیال دل سے نکال دو — اپنا فکر کرو، کہو، کیا میں تمہیں اپنا پروگرام بتاؤں؟"

"ہاں ضرور، مجھے بھی یہ بے چینی ہے کہ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟"

"اچھا تو سنو، ہم ابھی تمہاری کار میں بیٹھ کر روانہ ہوں گے — کار میں چلاؤں گا — تم میرے دو بچوں کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھو گے — دیکھنے والوں کو میں اس وردی میں تمہارا ڈرائیور ہی نظر آؤں گا — میرا ایک لڑکا تمہاری مخصوص جھنڈی ضرورت پڑنے پر کار سے نکال کر دکھائے گا۔ اس طرح ہمیں کوئی بھی روکنے کی کوشش نہیں کرے گا اور ہم آسانی سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ میرے تینوں بچے تمہیں ہر وقت اپنی زد میں رکھیں گے — تم نے اگر کسی کو کوئی ہلکا سا اشارہ بھی کرنے

کی کوشش کی تو تمہارا وہی حال ہو گا جو ڈرائیور کا — اب تم یہ جاننے کے لیے بے چین ہو گے کہ ہمیں جانا کہاں ہے، جہاں ہمیں جانا ہے، تم اس جگہ سے اچھی طرح واقف ہو۔ تم ہمیں سیدھا وہاں لے جاؤ گے۔"

"ابا جان، دُور سڑک پر کئی گاڑیوں کی روشنیوں کی جھلک دکھائی دی ہے۔" فرزانہ کی آواز نے ان کی بات کاٹ دی۔

"اوہ۔" انسپکٹر جمشید نے چونک کر سڑک کی طرف دیکھا، پھر بولے:

"تمہارا خیال ٹھیک لگتا ہے — ہو سکتا ہے یہ غیر متعلق لوگ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الورا کا یا وشپا کے آدمی ہوں۔ ہمیں اپنے بچاؤ کے لیے تیار ہو جانا چاہیے — ویسے تو امکان یہ ہے کہ یہ لوگ آگے نکلے چلے جائیں گے، کیونکہ سڑک پر سے نہ تو ہم انہیں نظر آ سکتے ہیں اور نہ سڑک پر ہم نے کوئی ایسا سراغ چھوڑا ہے۔ میں کالاان صاحب کو پستول کی زد پر رکھوں گا — تم اپنے اپنے ہتھیار سنبھال لو، اگر ضرورت ہوئی، تو میں پستول سے دشمنوں کا مقابلہ کروں گا — محمود کالاان کی گردن پر اپنا ہاتھ رکھ دے گا، اس طرح کہ اس کے حرکت کرتے ہی گردن پر خراش آ جائے — میں، فاروق اور فرزانہ آنے والوں سے نمٹنے کی کوشش کریں گے۔"

"وہ بات پھر درمیان میں رہ گئی کہ تم لوگ جانا کہاں چاہتے ہو؟" کالاان نے بے چین ہو کر کہا۔

"پہلے ان لوگوں کا معاملہ صاف ہو جانے دو۔ ہاں یہ تو بتاؤ، یہ سڑک کہاں تک جاتی ہے —"

"ایک دوسرے شہر جو یہاں سے پچاس کلومیٹر دُور ہے۔ درمیان میں کوئی دیہات وغیرہ نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"اور کیا اس دوسرے شہر، جو یہاں سے پچاس کلومیٹر دُور ہے، جانے کے لیے اس سڑک کو ہی استعمال کیا جاتا ہے؟"

"نہیں، یہ سڑک آگے جا کر بہت خراب ہو جاتی ہے۔ اس لیے دوسرے شہر جانے والے لوگ ایک اور سڑک استعمال کرتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"تب پھر آنے والے ہمارے دشمن ہی ہو سکتے ہیں" وہ بڑبڑائے اور پھر فکرمندانہ نظروں سے سڑک کی طرف دیکھنے لگے۔ روشنیاں اب قریب آتی جا رہی تھیں —

○

الورا کا کے سامنے سات لاشیں پڑی تھیں اور اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا — بچ کر آنے والے اس کے ساتھی اُسے

ساری تفصیل سنا چکے تھے۔

"اب پروفیسر کے بُرے دن آ گئے ہیں، لیکن اس کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ میں ان لوگوں کو غیر ملکی جاسوس ثابت کر دوں۔" وہ جھلاتے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"لیکن جناب، اب آپ انہیں جاسوس کس طرح ثابت کریں گے، وہ تو اب پروفیسر کی پناہ میں پہنچ چکے ہیں۔" ایک ساتھی بولا۔

"پروفیسر اگر انہیں ہوائی، بری یا بحری راستے سے فرار کرانے کی کوشش کرے گا تو منہ کی کھائے گا۔ اس وقت تک ان راستوں کی ناکہ بندی ہو چکی ہے، لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اس نے جب بھی کسی کو فرار کرایا، کسی خفیہ راستے سے کرایا اور ہم آج تک اس خفیہ راستے کا پتا نہیں چلا سکے۔ ایک بار مجھے اس راستے کا پتا چل جائے، پھر میں اس پروفیسر کے بچے کو وہ چکر دوں گا کہ آئیں بائیں شائیں بھول جائے گا۔"

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں، وہ راستہ اسے کمانڈر انچیف کالان نے بتایا ہے۔ ملک کے تمام خفیہ راستوں سے صرف وہی سب سے زیادہ واقف ہے۔" اسی ساتھی نے کہا۔

"شاید یہی بات ہے۔ کالان بہت لالچی آدمی ہے۔ وہ ضرور

پروفیسر سے اپنا حصہ لیتا ہو گا۔ خیر، اب میں پروفیسر کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھوں گا۔ اب وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"پروفیسر کے محل میں۔"

"اور کیا ہمارے ساتھی نگرانی کر رہے ہیں؟"

"جی ہاں جناب، آپ فکر نہ کریں، وہ ہمیں پل پل کی خبر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں چاہتا ہوں، یہ لوگ کسی بھی صورت فرار نہ ہو سکیں؛ ورنہ ہم پروفیسر کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور وہ ہمارے سینوں پر مونگ دلتا رہے گا۔"

"ہر ممکن کوشش کی جائے گی جناب۔"

"البرٹ بھی کوئی کام نہیں دکھا سکا، اب وہ کہاں ہے؟" انولا کا منہ بنا کر بولا۔

"اپنے کمرے میں۔"

اسی وقت وائرلیس پر اشارہ موصول ہوا۔ انولا کا فوراً اس طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہیلو سر، ہیلو سر۔"

"کہو، میں اس طرف موجود ہوں۔" اس نے کہا۔

"ابھی ابھی مسٹر کالان کو پروفیسر ولشپ کے محل میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہے۔"

"بہت خوب، میں سیٹ پر ہی موجود ہوں، کڑی نظر رکھو۔ جہاں بھی کالان یا وشپا جائیں یا ان لوگوں کو لے کر جائیں، ان کا تعاقب کیا جائے اور ساتھ ساتھ اطلاع دی جائے۔ میں باقی ساتھیوں کی مدد سے انہیں گھیرنے کی کوشش کروں گا۔"

"او کے سر۔"

سیٹ بند کر کے اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"فوراً البرٹ کو بلاؤ۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لنگراہٹ تھی۔

"البرٹ، تم ایک دم نکمے ہوتے جا رہے ہو۔ ہر وقت آرام کرتے رہتے ہو۔ تمہیں جو کام سونپا گیا تھا۔ اس کے بارے میں بھی تم نے کوئی خاص رپورٹ نہیں دی۔ اب میں تمہیں ایک آخری موقع دے رہا ہوں۔ اگر تم نے اس بار بھی کچھ کام نہ دکھایا تو پھر مجھے اپنی صورت کبھی نہ دکھانا۔"

"بہت بہتر جناب، آپ حکم کریں۔" اس نے بُرا مانے بغیر کہا۔

"ہمارے شکار تو پروفیسر کے محل میں پہنچ ہی چکے تھے، اب وہاں کی نظر ایجنٹ کالان بھی پہنچا ہے۔ فوراً روانہ ہو جاؤ۔

دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ محل سے نکلیں تو ان کا تعاقب کیا جائے۔"

"جی بہتر۔ میں آپ کو رپورٹ دیتا رہوں گا، آپ بے فکر رہیں۔"

"اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں بھی میدان میں کود پڑوں گا۔"

"ٹھیک ہے سر، میں چلتا ہوں۔" البرٹ نے کہا اور ایڑیوں پر گھومتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اس کی آواز سنائی دی:

"ہیلو سر، ابھی ابھی آپ کے چاروں شکار کالان کے ساتھ نکلے ہیں، وہ کہیں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کے پیچھے دو کاروں میں وشپا کے آدمی بھی تیار نظر آ رہے ہیں۔ شاید وہ حفاظت کے خیال سے ساتھ جائیں گے۔"

"ان کاروں کے پیچھے تم بھی روانہ ہو جانا اور سمت بتاتے رہنا۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کے آگے پہنچ جاؤں۔"

"بہت بہتر۔" البرٹ کی آواز سنائی دی۔

"میرا خیال ہے، پروفیسر وشپا کالان کے ذریعے ان لوگوں کو فرار کرانا چاہتا ہے۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"پوری طرح ہوشیار رہو، یاد رکھو، یہ تمہارے لیے آخری موقع ہے۔" الوناکا نے گویا اُسے دھمکی دی۔

"میں سمجھتا ہوں سر۔" البرٹ سہمی ہوئی آواز میں بولا اور پھر اس کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی:

"ارے، یہ کیا ہوا؟"

"مسٹر کالان کا ڈرائیور اچانک گر کر بے ہوش ہو گیا ہے۔ اب وہ لوگ اسے پچھلی سیٹ پر ڈال رہے ہیں۔ لیجیے، مسٹر راحل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی ہے۔" اس نے کمنٹری کرنے کے انداز میں کہا۔

"اوہو، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"اب کار چل پڑی ہے۔ وشپا کے آدمی بھی دونوں کاروں میں پیچھے روانہ ہو گئے ہیں۔"

"ضرور کوئی چکر ہے۔ ڈرائیور کا بے ہوش ہونا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تم بھی ان کے پیچھے روانہ ہو جاؤ۔ میں بھی آرہا ہوں۔ سیٹ پر رابطہ مسلسل قائم رکھو۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور آواز آنا بند ہو گئی۔

الوناکا نے تین آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور تیزی سے روانہ ہوا۔ اسے اشارے ملتے رہے۔ اور وہ کار آگے بڑھاتا رہا۔ اچانک

اس نے البرٹ کو کہتے سنا:

"واقعی کوئی چکر چلایا جا رہا ہے جناب، راحل کار کی رفتار مسلسل بڑھا رہا ہے۔ اس کی رفتار کا ساتھ وشپا کے آدمی نہیں دے پا رہے ہیں۔ وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ ارے یہ کیا؟ کار کی رفتار اچانک کم ہو گئی ہے۔ اور۔ اور وہ دائیں طرف یعنی مارٹن روڈ پر مڑ گئی ہے۔ پیچھے وشپا کے آدمیوں کی دونوں کاریں تیز رفتاری کی وجہ سے دائیں طرف نہیں مڑ سکیں اس لیے آگے نکل گئی ہیں۔ اب ہم مارٹن روڈ پر مڑ رہے ہیں۔ آپ مارٹن روڈ کے اگلے سرے پر پہنچ کر ان لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں۔" یہاں تک کہہ کر البرٹ خاموش ہو گیا۔

"راحل کی کار کتنی رفتار سے جا رہی ہے؟"

"شاید ایک سو دس کلومیٹر کی رفتار سے۔" اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"اور کوئی پولیس والا انہیں نہیں روک رہا؟"

"پچھلی سیٹ سے کمانڈر انچیف کی سبز جھنڈی لہرائی جا رہی ہے۔"

"ہوں، تب تو میں مارٹن روڈ کے اگلے سرے پر اس سے پہلے نہیں پہنچ سکتا۔ خیر کوئی بات نہیں، میں تمہارے پیچھے ہی آرہا ہوں۔ تم تعاقب جاری رکھو۔ دیکھو، وہ تمہاری نظروں سے اوجھل نہ ہو جائیں۔"

"بہت مشکل نظر آ رہا ہے جناب، اس کار کو راستہ دیا جا رہا ہے، جب کہ میں بے بس ہوں۔"

"اوہ، لعنت ہے تم پر۔" الوراکا نے جھلا کر کہا، پھر بولا:

"میں آندھی اور طوفان کی طرح آ رہا ہوں — پھر میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے نکل جاتے ہیں — تم کم از کم میرے پہنچنے تک انہیں نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔"

"میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں جناب۔" البرٹ نے کہا اور ایک بار پھر سلسلہ بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد الوراکا کی آواز سنائی دی —

"ہیلو البرٹ، میں مارٹن روڈ پر پہنچ گیا ہوں — اور اب بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہوں۔ تمہارے نزدیک پہنچوں تو اشارے سے بتا دینا کہ کون سی کار راحل چلا رہا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے جناب، کالان کی کار میری نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے۔"

"کیا؟" الوراکا چلایا، پھر اس نے گرج کر کہا:

"بہر حال آگے بڑھتے رہو، میں ابھی تمام سڑکوں پر کاریں دوڑائے دیتا ہوں۔"

اور اس کے آدھ گھنٹے بعد ایک کار نے اسے اطلاع دی

"ہم شہر سے باہر جانے والی مغربی سڑک پر جا رہے ہیں۔ خیال ہے کہ کالان کی کار اسی طرف گئی ہے۔ ہمیں چند راہگیروں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔" یہ آواز اس کے ایک اور ساتھی کی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں۔" پھر اس نے البرٹ کو مخاطب کیا:

"البرٹ، تم بھی مغربی سڑک پر پہنچ جاؤ۔"

"جی بہتر۔" البرٹ نے دبی آواز میں کہا۔

پندرہ منٹ بعد ہی ان کی سب کاریں مغربی سڑک پر سفر کر رہی تھیں۔ اس وقت تک رات کی تاریکی پھیل چکی تھی اور ان کی کاروں کی ہیڈ لائٹوں نے جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر دیا تھا۔

کاروں کی رفتار بہت آہستہ تھی — سب سے آگے الوراکا تھا اور وہ سڑک کا بغور جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جنگل میں فائر

اور پھر روشنیاں سڑک پر عین اس جگہ پہنچ گئیں، جہاں وہ درختوں میں چھپے ہوئے تھے — وہ درختوں کے پیچھے ساکت ہو گئے — محمود پوری طرح ہوشیار تھا کہ کہیں کالان حلق سے کوئی آواز نہ نکال بیٹھے — تاروں کی روشنی میں وہ ایک دوسرے کو صاف دیکھ سکتے تھے — انسپکٹر جمشید بھی اس وقت تک پستول کالان کی طرف ہی تانے کھڑے تھے — اس وقت انہیں سب سے زیادہ خطرہ یہی تھا کہ کہیں کالان حلق سے آواز نہ نکال بیٹھے۔ ایک بار انہوں نے جوں ہی کالان کے ہونٹوں کو حرکت میں آتے دیکھا تو فوراً ہی سرد انداز میں سرگوشی کی —

"ہمارے ساتھ چاہے کچھ بھی ہو، ہم تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑیں گے۔"

ان کے لہجے میں ایک خوف ناک پن تھا — کالان کانپ کر رہ گیا — اس نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے۔ اسی وقت انہوں

نے دیکھا، کاریں سڑک پر آگے بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا — تھوڑی دیر بعد کاریں ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں، ان کی پچھلی سرخ لائٹیں بھی نظر آنا بند ہو گئیں —

"خطرہ ٹل گیا — اب ہم ذرا جلدی جلدی کالان کو صورتِ حال بتاتے ہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اپنا رخ کالان کی طرف کر لیا اور پستول سے اس کے دل کا نشانہ لے لیا، پھر بولے:

"مسٹر کالان، تم ہمیں کیمپ تک لے جاؤ گے۔" ان کا انداز ڈرامائی سا تھا — کیمپ کا نام سن کر کالان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے — نیم تاریکی میں بھی وہ حیرت کے آثار کو بخوبی دیکھ رہے تھے —

"کیمپ، کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

اور اسی وقت درختوں کے پیچھے سے چاند نے سر نکالا۔ شاید اب تک وہ بادلوں میں چھپا رہا تھا — اس کی کرنیں درختوں میں سے چھن چھن کر آنے لگیں — اس کی روشنی نے ان کا کام آسان کر دیا۔

"کیمپ کا مطلب پوچھ رہے ہیں آپ، جب کہ آپ کمانڈنٹ ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"شاید اس لیے پوچھ رہے ہیں کہ اس سے پہلے ان سے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہو گی۔" فرزانہ مسکرائی —

"تم دونوں تو ہو عقل سے پیدل، مسٹر کالان کا مطلب یہ ہے کہ ہم کون سے کیمپ کی بات کر رہے ہیں۔ تو جناب، ہماری مراد اس خفیہ کیمپ سے ہے جو تم لوگوں نے کسی خفیہ جگہ بنا رکھا ہے اور اس میں اپنے دشمن ملک کے جنگی قیدی رکھے ہوئے ہیں۔" فاروق شوخ انداز میں کہتا چلا گیا۔

"کیا مطلب؟" کالان تقریباً اچھل پڑا۔

"لو، پھر مطلب ٹپک پڑا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نہیں نہیں، میں تمہیں وہاں نہیں لے جا سکتا۔" کالان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تو پھر تم ہمیں کہاں لے جا سکتے ہو؟" فاروق بول اٹھا۔

"فاروق، بے وقوفانہ باتیں نہ کرو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اچھا۔"

"تم نے ٹھیک سنا مسٹر کالان، تم ہمیں اس خفیہ کیمپ تک لے جاؤ گے، جس میں تم نے اپنے دشمن ملک کے جنگی قیدی رکھے ہوئے ہیں۔"

"تت... تت تو... کیا... تمہارا تعلق دشمن ملک سے ہے؟" کالان بری طرح ہکلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں، تم ٹھیک سمجھے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ٹھیک سمجھنے میں معلوم ہوتا ہے، ان کا جواب نہیں۔" فاروق

نے شوخ آواز میں کہا۔

"دھت تیرے کی... حد ہو گئی۔" محمود اور فرزانہ نے ایک دوسرے کے بعد کہا۔

"اب اگر تم نے منہ کھولا تو بری طرح پیش آؤں گا۔" انسپکٹر جمشید نے فاروق کو گھورا، پھر کالان کی طرف مڑے:

"ہاں، تو تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارے سامنے اس وقت صرف دو راستے ہیں، تیسرا کوئی نہیں۔ پہلا تو یہ کہ ہمیں اپنی کار میں اس کیمپ تک لے جاؤ؛ ورنہ پھر موت قبول کر لو، تمہارے مرنے کے بعد بھی ہم کسی نہ کسی طرح کیمپ تک پہنچ ہی جائیں گے، لہذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا؛ البتہ تم اپنی جان سے ضرور جاؤ گے۔ تمہارے بیوی بچے نہ جانے کب تک تمہارا انتظار کرتے رہیں گے۔ کیونکہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ تم کہاں غائب ہو گئے ہو۔ تمہاری لاش تک کسی کو نہیں مل سکے گی۔ ہمارے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں، جن سے ہم تمہارے جسم کو پانی بنا کر بہا دیں گے، تمہارے جسم کے ساتھ تمہارے کپڑے بھی گل جائیں گے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔ ان کا لہجہ حد درجے سفاک تھا۔ کالان کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی۔

"تم... میں تمہیں وہاں لے چلوں گا... مم... مگر، تم وہاں جا کر کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہ تمہیں وہیں جا کر بتائیں گے — کیمپ کے نزدیک پہنچ کر ہم رک جائیں گے اور اس کے ارد گرد کا جائزہ لے کر آگے بڑھیں گے، تمہاری موجودگی میں بھلا کون ہمیں شک و شبے کی نظر سے دیکھ سکے گا۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو۔" کالان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"چلو وہ تم یاد دلا دو۔"

"میری گم شدگی کے بارے میں اس وقت تک خبر سارے شہر میں پھیل چکی ہو گی — یہ کام انوار کا نے کیا ہو گا — اس صورت میں میری تلاش کے سلسلے میں پولیس ہر طرف گشت کر رہی ہو گی اور افسران نے ادھر ادھر تمام محکموں پر فون کر دیے ہوں گے، لہٰذا اس کیمپ میں بھی یہ اطلاع بھیج دی ہو گی۔"

کالان کے الفاظ نے ان پر سکتہ طاری کر دیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ کالان کے ساتھ کیمپ چلے جاتے تو فوراً گرفتار کر لیے جاتے — چند لمحے تک سوچنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ اطلاع دینے والوں کو خفیہ کیمپ کا بھی خیال آ جائے — اور پھر میں نے تو سنا ہے کہ اس کیمپ کے بارے میں صرف تمہیں اور چند اور خاص آدمیوں کے علاوہ کسی کو

معلوم نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے یہ جملہ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے علاوہ جن لوگوں کو معلوم ہے، کیا وہ خفیہ کیمپ میں اطلاع نہیں بھیج سکتے۔" کالان بولا۔

"خیر، دیکھا جائے گا — اب جو بھی ہو، ہمیں وہاں جانا ہی پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے، میں...."

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے — اسی وقت فرزانہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا —

"یہ کیا کر رہی ہو؟" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے —

"ششش، شاید ہمیں گھیرا جا رہا ہے۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔ انہوں نے چند لمحے تک سن گن لینے کی کوشش کی تو پھر بالکل مدھم آواز میں بولے:

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ فوراً نیچے بیٹھ جاؤ — ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے سر کی جنبش سے اشارہ کیا اور اس نے انگوٹھی کی نوک کالان کی گردن میں چبھو دی — وہ کوئی آواز نکالے بغیر بے ہوش ہو کر گر پڑا —

اس کے ساتھ ہی وہ بھی نیچے بیٹھ گئے — انسپکٹر جمشید اپنی اشاروں میں ہدایات دینے لگے — انہوں نے کالان کو اٹھا کر ایک

گھنے درخت کے ساتھ ٹکا دیا اور خود اس درخت پر چڑھنے لگے — محمود، فاروق اور فرزانہ آس پاس کے ایک ایک درخت پر چڑھنے لگے — فاروق سب سے پہلے درخت کی چوٹی پر پہنچ گیا — اس نے اپنا پین نکال کر ہاتھ میں لے لیا — محمود اس کے چند سیکنڈ بعد پہنچا، لیکن وہ دشمنوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ انگوٹھی تو نزدیک سے جا کر مس کی جا سکتی تھی — فرزانہ کا نمبر تیسرا تھا۔ اس نے اوپر پہنچ کر اپنا لاکٹ ہاتھ میں لے لیا۔ انسپکٹر جمشید فاروق کے ساتھ ہی درخت کے اوپر پہنچ چکے تھے اور ان کے ہاتھ میں پستول تھا، انگلی ٹریگر پر تھی، لیکن وہ فائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے — اس وقت اگر وہ فائرنگ شروع کراتے تو دشمنوں کو فوراً معلوم ہو جاتا کہ وہ کہاں ہیں، لہٰذا اب جنگ کا دارومدار فاروق اور فرزانہ کے ہتھیاروں پر تھا — اگر نیچے کالان موجود نہ ہوتا تو شاید دشمن انہیں تلاش کر ہی نہیں سکتے تھے اور سر ٹکرا کر واپس چلے جاتے، لیکن مشکل یہ تھی کہ کالان کے ساتھ کچھ فاصلے پر اس کی کار بھی موجود تھی — اگر وہ کسی طرح کالان کو اوپر کھینچ بھی لیتے تو بھی اس کی کار دشمنوں کو ضرور نظر آ جاتی، لہٰذا انہوں نے کالان کو بھی اوپر لانے کی کوشش نہیں کی تھی — اور پھر انہوں نے ایک آواز سنی:

"ارے، یہاں ایک کار کھڑی ہے۔"

"بس تو پھر وہ لوگ ضرور یہیں کہیں چھپے ہیں — اس جگہ کو چاروں طرف سے گھیر لو اور سرچ لائٹوں سے اس جگہ کو جگمگا دو — میں دیکھتا ہوں، وہ بچ کر کہاں جاتے ہیں۔"

انہوں نے صاف محسوس کیا، آواز انورا کی تھی —

○

چاند اب کافی اوپر آ گیا تھا — اس کی روشنی اب درختوں میں سے چھن چھن کر زمین تک پہنچ رہی تھی — تاہم یہ روشنی ناکافی تھی اور اس میں دشمن انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے، لیکن انورا کے منہ سے سرچ لائٹوں کا ذکر سن کر وہ پریشان ہو گئے — جلد ہی انہوں نے سرسراہٹ کی آوازیں سنیں — آنے والوں کا فاصلہ لمحہ بہ لمحہ چھوٹا ہوتا جا رہا تھا، گویا بہت جلد وہ اس درخت تک پہنچنے والے تھے، جس کے نیچے کالان پڑا تھا اور اس کے بعد کیا ہونے والا تھا، یہ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا۔

ابھی فاصلہ کم نہیں ہوا تھا کہ اچانک چار سرچ لائٹوں کی روشنیاں چاروں طرف سے ان کے درختوں اور آس پاس کی جگہ پر پڑیں — آس پاس کی جگہ پوری طرح روشنی میں نہا گئی — قریب تھا کہ انہیں دیکھ لیا جاتا اور کالان بھی ان لوگوں کی

نظروں میں آ جاتا کہ اچانک انسپکٹر جمشید کی انگلی حرکت میں آ گئی۔ فوری طور پر چار فائر ہوئے اور جنگل میں بالکل اندھیرا چھا گیا۔ سرچ لائٹوں کے بجھنے کے ساتھ چار چیخیں بھی فضا میں ابھری تھیں۔ اگرچہ گولیاں سرچ لائٹوں کو سنبھالنے والوں کو نہیں لگی تھیں، لیکن یہ چیخیں خوف کی وجہ سے نکلی تھیں۔

"فائر" کوئی چیخا۔

دوسرے ہی لمحے اندھا دھند گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ انسپکٹر جمشید فکرمند ہو گئے کہ کہیں کوئی گولی فاروق کو لگ گئی تو کیا ہوگا۔ ان کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جاتا۔ ابھی تک وہ دشمنوں کی تعداد کا بھی کوئی اندازہ نہیں لگا سکے تھے خدا جانے وہ کتنے تھے۔ انہوں نے فائر کچھ اس تیزی سے کیے تھے کہ ابھی دشمن کو کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا، وہ کہاں چھپے ہیں۔ سرچ لائٹوں کے بجھ جانے کی وجہ سے وہ کچھ دیر کے لیے بالکل محفوظ ہو گئے تھے۔

فاروق کو اپنے والے درخت کے بالکل نزدیک جھاڑیوں میں جنبش محسوس ہوئی۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے پستول اس طرف کر لیا اور جونہی اسے دشمن نظر آیا، اس نے ٹریگر دبا دیا۔ فوراً ہی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کا جھماکا ہوا اور جھاڑیوں میں چھپے ہوئے دشمن کے حلق سے ایک دردناک چیخ

نکل گئی۔ ساتھ ہی پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے دونوں ہاتھ آنکھوں پر جم گئے۔ محمود نے بھی یہ منظر صاف دیکھا تھا۔ نہ جانے اسے کیا سوجھی کہ آہٹ پیدا کیے بغیر نیچے اترنے لگا اور پھر پیٹ کے بل اس پستول کی طرف بڑھنے لگا جو دشمن کے ہاتھ سے نکلا تھا۔ ابھی اس نے پستول اٹھایا ہی تھا کہ دائیں طرف ہلکی سی آہٹ ہوئی، وہ فوراً ادھر مڑا اور دھک سے رہ گیا۔ ایک دشمن اس کے عین سر پر پہنچ چکا تھا اور اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے ہی والی تھی۔ اس نے بلا کی پھرتی سے ایک پلٹی کھائی۔ اس کے ساتھ ہی پستول سے گولی نکلی۔ گولی زمین پر لگی اور بہت سی مٹی اچھل گئی۔ عین اسی وقت دشمن کے پاؤں سے ایک دھماکا ہوا۔ اس کے حلق سے بھی ایک چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ محمود سمجھ گیا کہ فرزانہ نے اس کی جان بچائی ہے۔ اب وہ دشمن کی طرف بڑھا اور اس کا پستول قبضے میں کر لیا۔

"بس لڑکو! اب اوپر آ جاؤ۔ نیچے خطرہ زیادہ ہے۔" اس نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔

وہ اپنے درخت کی طرف مڑا اور ساتھ ہی اس نے پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ اگر ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو دشمن کی جگہ اس کی لاش تڑپ رہی ہوتی۔ اس کے ساتھ ہی اوپر سے بھی ایک فائر ہوا۔ محمود نے اپنی کمر کی طرف کسی کے گرنے کی آواز سنی۔

وہ بوکھلا کر مڑا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک اور دشمن پڑا تڑپ رہا تھا۔ شاید اس جگہ کو پوری طرح گھیر لیا گیا تھا اور آس پاس بہت سے دشمن موجود تھے۔۔۔ اب محمود کے لیے اوپر چڑھنا بہت مشکل تھا۔۔۔ وہ سینے کے بل لیٹ کر چاروں طرف گردن گھمانے لگا۔۔۔ تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی۔۔۔ شاید دشمن خوفزدہ ہو گیا تھا، یا پھر کسی اور رخ سے حملہ کرنے کی سوچ رہا تھا۔۔۔ اب محمود کے پاس تین پستول ہو گئے تھے اور وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ان میں سے دو فاروق اور فرزانہ کو دے دے۔۔۔ یہ سوچ کر وہ اس درخت کے نیچے آیا، جس پر فرزانہ موجود تھی۔ اس نے اوپر دیکھا، فرزانہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔۔

"یہ لو گرین" اس نے ہاتھ اوپر کر کے اشاروں میں کہا، اور پھر پستول اوپر اچھال دیا۔۔۔ فرزانہ پہلے ہی اسے دبوچنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔۔۔ اس نے ایک ہاتھ سے پستول دبوچ لیا۔ اب محمود فاروق کے درخت کی طرف کھسکنے لگا۔۔۔ اسی وقت ایک گولی اس کے سر سے صرف ایک انچ اوپر سے گزر کر ایک درخت کے تنے میں دھنس گئی۔۔۔ اس نے اپنا سر فوراً نیچے کر لیا۔۔۔ فوراً ہی اوپر سے ایک فائر کیا گیا۔۔۔ جواب میں ایک چیخ ابھری۔ یہ نشانہ انسپکٹر جمشید نے لیا تھا۔۔۔ اب پھر محمود کھسکنے لگا۔ آخر فاروق کے درخت کے نیچے پہنچ گیا۔۔۔ اس نے فاروق کو بھی

پستول دبوچ لینے کا اشارہ کیا۔۔۔ اور اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر پستول اچھال دیا۔

اب ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک پستول تھا۔۔۔ لیکن محمود نیچے پھنس کر رہ گیا تھا۔۔۔ وہ جوں ہی اپنے درخت پر چڑھنے کے لیے اوپر ہوتا، اس پر گولی چلائی جاتی اور وہ پھر زمین پر لیٹنے پر مجبور ہو جاتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ساتھ ہی اوپر سے فائر ہوتا ۔۔۔ اور اس پر گولی چلانے والا چیخ اٹھتا اور پھر انسپکٹر جمشید، فاروق اور فرزانہ کو گویا یہی گر ہاتھ آ گیا۔۔۔ جوں ہی کسی سمت سے محمود پر فائر کیا جاتا، وہ اس سمت میں فائر کر دیتے۔۔۔ اب دشمن نے بھی ان کی درختوں پر موجودگی کو بھانپ لیا تھا، لہٰذا وہ درختوں کی شاخوں پر بھی فائرنگ کر رہے تھے۔۔۔

انسپکٹر جمشید اس صورت حال سے پریشان ہو گئے۔۔۔ انہوں نے محسوس کیا، کھیل لمبا ہو گیا ہے اور انہیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔۔۔ غنیمت یہ تھا کہ ابھی تک کالان کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ دیتا بھی کیسے، وہ بے ہوش پڑا تھا اور اپنی موجودگی ظاہر کرنے کے قابل نہیں تھا۔۔۔ آخر انسپکٹر جمشید نے ایک فیصلہ کیا۔۔۔ انہوں نے پہلے چاروں طرف کا جائزہ لیا، پھر ان کی نظریں اس سمت میں جم گئیں، جس سمت سے انہوں نے فوراً

کی آواز سنی تھی — اس طرف انہوں نے ایک سرچ لائٹ پر بھی فائر کیا تھا۔ سمت کا اندازہ کرنے کے بعد وہ درخت سے نیچے اترنے لگے — ایسے میں بھی پستول ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے فاروق اور فرزانہ کو بدستور اوپر ہی رہنے کی ہدایت کی تھی اور یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ جب انوراکا کی طرف وہ بڑھیں اسی وقت وہ اندھادھند دوسری طرف فائر کر دیں تاکہ دشمن کی توجہ ہٹ جائے اور اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر وہ اس طرف بڑھ جائیں، جس طرف ان کے خیال میں انوراکا موجود تھا — ساتھ ہی انہوں نے محمود کو اشارہ کیا کہ وہ زمین پر ہی رہے، اور کالان کا دھیان رکھے —

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید پیٹ کے بل اس سمت میں تیزی سے رینگ رہے تھے — وہ اس دائرے سے نکل کر دشمن کی کمر پر پہنچ کر حملہ کرنے کا پروگرام بنا کر نکلے تھے —

گھریلو نام

اگر محمود، فاروق اور فرزانہ نے دشمن کی توجہ دوسری طرف نہ لگادی ہوتی تو انسپکٹر جمشید اتنی آسانی سے نہیں نکل سکتے تھے۔ ایک نیم دائرے کی صورت میں چلتے ہوئے وہ اس جگہ سے بھی دور نکل آئے — جہاں انہوں نے سرچ لائٹ جلتے دیکھی تھی اور پھر انہوں نے اپنے سامنے چند جیپیں کھڑی دیکھیں۔ ان کی تعداد چار تھی؛ گویا دشمن چار جیپوں پر سوار ہو کر آئے تھے — اس حساب سے ان کی تعداد بیس کے قریب ہو سکتی تھی، جس میں سے تقریباً دس دشمنوں کو وہ ٹھکانے لگا چکے تھے؛ گویا ابھی دس دشمنوں سے نپٹنا باقی تھا — ان کے ذہن میں نہ جانے کیا آئی کہ ان جیپوں کی طرف رینگنے لگے — پہلے تو ان کے اندر باری باری داخل ہو کر وائرنگ میں توڑ پھوڑ کی اور پھر باہر نکل کر ایک ایک فائر ایک ایک ٹائر پر کر ڈالا —

دشمن بوکھلا گیا — اسے کمر کی طرف سے حملے کی امید نہیں

تھی۔ وہ ایک دم پلٹ کر جیپوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید جیپوں کے دوسری طرف پہنچ چکے تھے۔ ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ کو دشمن کے اچانک مڑنے سے موقع مل گیا۔ انہوں نے مل کر کالان کو اٹھایا اور اسے کسی نہ کسی طرح اس کی کار کے قریب لے گئے۔ اس کا آدھ گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنا ناممکن تھا، لہذا انہوں نے اسے کار کی ڈگی میں ڈال دیا اور ڈگی کو تھوڑا سا کھلا رہنے دیا۔ چابیوں کا گچھا انہیں کالان کی جیب سے مل گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اس سمت میں رینگنے لگے، جس طرف فائرنگ ہو رہی تھی اور اس طرح وہ دشمن کی کمر پر پہنچ گئے، کیونکہ اس وقت تک وہ سب کے سب جیپوں کی طرف مڑ چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ دشمن کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ حملہ کرنے سے پہلے یہ اندازہ لگانا ان کے لیے بہت ضروری تھا۔ ورنہ خود وہ دشمن کی گولیوں کی زد میں آ جاتے! چنانچہ نزدیک پہنچ کر وہ دم سادھ کر لیٹ گئے۔ اس طرح انہیں جلد ہی یہ اندازہ ہو گیا کہ دشمن کس کس جگہ سے دوسری طرف فائر کر رہا ہے۔ اب انہوں نے اندازے سے فائرنگ شروع کی اور اس سے پہلے خود اس طرح لیٹ گئے تھے کہ گولیوں سے ہر ممکن حد تک محفوظ رہیں۔ اب دشمن پر دو طرف سے فائرنگ ہونے لگی تھی

لیکن چونکہ ان کی طرف آنے والی گولیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لیے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ دشمن مکمل اندھیرے میں تھا۔ چاند ایک بار پھر بادل کی اوٹ میں چلا گیا تھا، اس لیے وہ صرف اندازوں کی بنیاد پر فائر کر رہے تھے۔ وہ بھی بہت سوچ سمجھ کر، کیونکہ ان کے پاس تو فالتو گولیاں بھی نہیں تھیں۔

جنگ اگرچہ طول پکڑ گئی تھی، لیکن انہیں اب ایک اطمینان تھا اور وہ یہ کہ یہ لوگ شہر سے مدد نہیں منگا سکتے تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی فائروں کے چھٹنے کی آوازیں سن چکے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے کی جنگ کے بعد فائروں کی آوازیں بند ہو گئیں۔ ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ تمام دشمن ختم ہو گئے یا ان میں سے کچھ باقی ہیں۔ خود انہیں بھی ایک دوسرے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ تاریکی کی وجہ سے وہ فائروں کی آوازوں کے سہارے نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گئے تھے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کو کالان کا خیال آیا۔ وہ پریشان ہو گئے، کیونکہ محمود، فاروق اور فرزانہ اب اس جگہ تو تھے ہی نہیں؛ چنانچہ وہ اندازے کے سہارے اس درخت کی طرف رینگنے لگے، جس کے نیچے انہوں نے کالان کو چھوڑا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ اپنے اندازے کے مطابق اس درخت کے نیچے پہنچ گئے اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ

کالان وہاں نہیں تھا — انہیں فوراً اس کی کار کا خیال آیا، وہ ادھر مڑ گئے — جب وہ کار کے نزدیک پہنچے تو تاریکی کچھ زیادہ ہی ہو چلی تھی۔ انہوں نے تاریکی میں ایک سائے کو کار کے پاس کھڑے دیکھا۔ یہ کالان بھی ہو سکتا تھا اور دشمن کا کوئی آدمی بھی، اس لیے وہ گولی نہیں چلا سکتے تھے۔ سایا کار کے پچھلے حصے کی طرف کھڑا تھا اور عین اسی وقت چاند نے اپنا ایک سرا باہر نکالا — تاریکی ایک دم چھٹی اور انہوں نے اس سائے کو صاف ہوتے دیکھا اس کے نقش و نگار انہیں صاف نظر آنے لگے۔ اب اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ تامور تھا، ان کا گائیڈ۔

اسے کالان کی کار کے پاس کھڑے دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی — وہ آہٹ پیدا کیے بغیر اس کی طرف رینگنے لگے ہی تھے کہ انہوں نے تامور کو کار کی ڈگی کا ڈھکن اوپر اٹھاتے دیکھا — وہ اپنی جگہ رک گئے، تاکہ دیکھیں تو سہی، تامور کیا کرنا چاہتا ہے۔ اسی وقت انہوں نے محمود کی آواز سنی:

"ہیلو مسٹر تامور، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

تامور چونک کر مڑا اور اپنے سامنے محمود کو دیکھ کر مسکرا دیا، انسپکٹر جمشید کو اس کی مسکراہٹ میں ہلکا سا طنز نظر آیا اور پھر وہ مسکرا کر بولا —

"اسے ایک اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے۔"

"اتفاق، کیا مطلب؟" محمود چونک کر بولا —

"میرا خیال ہے محمود — یہ شخص انورا کا سے ملا ہوا ہے۔"

دوسری طرف سے فرزانہ کی آواز سنائی دی — انہوں نے دیکھا فرزانہ پستول تھامے تامور کی کمر کی طرف نمودار ہوئی تھی —

"ہاتھ اوپر اٹھا دو مسٹر تامور۔"

"یہ تم کیا کر رہی ہو فرزانہ، مسٹر تامور ہمارے گائیڈ ہیں اور انہیں ہمارے لیے مسٹر راکیل یعنی مالک مکان نے بھیجا تھا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا —

"سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کیا کر رہے ہیں — انہیں تو اس وقت اپنے گھر میں ہونا چاہیے تھا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ یہ انورا کا کا آدمی ہے۔" فرزانہ نے مضبوط لہجے میں کہا — اس کے جسم میں ہلکی سی جنبش بھی نہیں ہو رہی تھی —

"کیوں مسٹر تامور، کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں، تمہاری بہن بہت ذہین ہے۔"

"ہم خود اس کی ذہانت کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے ہیں۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا —

"لیکن محمود، میری ذہانت ہاتھوں والی کب ہے؟" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا —

"فاروق کے انداز میں باتیں مت کرو۔ ارے، مگر فاروق ہے کہاں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر آس پاس ہوتا تو ....." فرزانہ کے الفاظ درمیان میں رہ گئے، کیونکہ اسی وقت ٹامور نے حیرت بھرے انداز میں کہا تھا:

"محمود، فاروق، فرزانہ — کیا مطلب؟ تم لوگوں کے نام تو ٹونی، پاشا اور گرین تھے۔"

وہ ساکت رہ گئے — روانی میں انہیں یہ خیال بھی نہیں رہا تھا کہ اس ملک میں ان کے نام کیا ہیں! پھر محمود نے سنبھل کر کہا۔

"یہ ہمارے گھریلو نام ہیں، یعنی پیار کے نام، تم نہیں سمجھو گے — خیر، یوں سمجھ لو کہ یہ نک نیم ہیں۔"

"نک نیم، مگر اس قسم کے نام ہمارے دشمن ملک کے تو ہرگز نہیں ہوتے۔"

"نہیں ہوتے ہوں گے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"مسٹر ٹامور، تم چونکہ انوالا کے آدمی ہو، سچ مچ کے گائیڈ نہیں ہو — اس لیے ہاتھ اوپر اٹھا دو — میں تمہاری جیبوں کی تلاشی لوں گا۔" محمود نے کہا

"میری جیب میں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"اور تم غلط سمجھے، میں ہتھیار نہیں، وہ پیسے وصول کرنا چاہتا

ہوں جو تم نے بطور گائیڈ ہم سے وصول کیے تھے، لیکن چونکہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تم گائیڈ کے بھیس میں ہماری جاسوسی کر رہے تھے، لہٰذا تم اس نقدی کے ہرگز حق دار نہیں ہو۔"

"اس وقت میری جیب میں وہ نقدی بھی نہیں ہے — میں نقدی جیب میں لے کر گھر سے نہیں نکلا کرتا۔"

"اچھا کرتے ہو! بہرحال اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" اس نے سخت لہجے میں کہا اور ٹامور کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے — پھر اس نے کہا:

"تمہارے نام مجھے الجھن میں ڈال رہے ہیں۔"

"ابھی ہماری کئی چیزیں تمہیں الجھن میں ڈالیں گی۔" یہ فرزانہ تھی۔

دونوں اس سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ نہ جانے ان کے والد اور فاروق کہاں رہ گئے — وہ زخمی تو نہیں ہو گئے — انہوں نے سنا، ٹامور کہہ رہا تھا:

"میں حیران ہوں، تم نے کالان کو ڈگی میں کیوں ڈال رکھا ہے؟"

یہ الفاظ سن کر انسپکٹر جمشید چونکے، پھر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی — تو یہ عقل مندی ان تینوں سے سرزد ہوئی تھی — یہ سوچ کر وہ مسکرانے لگے —

"اس کی وجہ اگر تمہیں معلوم ہو گئی تو پھر تم زندہ نہیں

چھوڑے جا سکتے — لہذا یہ سوال نہ کرو۔" محمود نے گویا اسے نیک مشورہ دیا — عین اسی وقت ٹامور بجلی کی سی تیزی سے مڑا اور فرزانہ کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ دے مارا — فرزانہ کے حلق سے گھٹی گھٹی ایک چیخ نکل گئی — محمود نے ٹامور پر ایک فائر کرنا چاہا، لیکن وہ تیزی سے فرزانہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے آگے لے آیا۔

"ہاں، اب کرو فائر، تاکہ گولی تمہاری بہن کے جسم سے نکلتی ہوئی میرے جسم میں داخل ہو جائے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

محمود ساکت رہ گیا۔

"اگر فائر نہیں کرتے تو پستول گرا دو، کیونکہ تمہاری بہن کے کندھے اس وقت میرے فولادی ہاتھوں کی گرفت میں ہیں، اور اس تکلیف کو برداشت کرنا اس کے بس کا روگ نہیں۔"

محمود نے فوراً فرزانہ کی طرف دیکھا — اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"کیوں فرزانہ، کیا تم تکلیف میں ہو؟"

"نہیں محمود، پستول نہ گرانا — اس کے سر کا نشانہ لے کر فائر کر دو — یہ مجھ سے بہت لمبا ہے اور تمہارا نشانہ اتنا برا نہیں... اس کی باتوں میں نہ آؤ، جلدی کرو۔" یہ کہتے وقت فرزانہ کا چہرہ کچھ اور سرخ ہو گیا — شاید ٹامور نے کچھ زیادہ ہی زور لگا دیا تھا۔

محمود سمجھ گیا کہ اب اسے پستول گرانا ہی پڑے گا، فرزانہ کی بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کرنے میں خطرہ تھا، چنانچہ اس نے پستول نیچے گرا دیا —

"یہ تم نے کیا کیا؟" فرزانہ چلا اٹھی۔

"گولی تمہیں بھی لگ سکتی تھی فرزانہ، اس لیے میں مجبور تھا — ٹامور، اب میری بہن کو چھوڑ دو۔"

"یوں نہیں، اس پستول کو ٹھوکر مار کر میری طرف کر دو تاکہ میں اسے آسانی سے اٹھا سکوں۔" ٹامور نے مسکرا کر کہا۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تم اگر الفرام کے آدمی ہو تو مسٹر رابکل نے تمہیں ہمارے پاس کیوں بھیج دیا تھا؟" محمود نے پستول کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا — پستول ٹامور کے پاس رکنے کی بجائے اس سے کچھ آگے چلا گیا — ٹامور نے پہلے تو گردن گھما کر یہ دیکھا کہ پستول کہاں ہے، پھر فرزانہ کو محمود کی طرف ایک زوردار دھکا دیا — وہ لڑکھڑاتی ہوئی محمود سے جا ٹکرائی — ٹامور تیزی سے مڑا، پستول پر جھک گیا، لیکن ایک فائر ہوا اور پستول اس جگہ سے غائب ہو گیا — وہ نہ جانے کہاں جا گرا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو مسٹر ٹامور، اور محمود کے سوال کا جواب دو۔"

ٹامور نے بوکھلا کر اپنے پیچھے دیکھا، وہاں فاروق پستول سنبھالے کھڑا تھا —

"جیو فاروق، تم نے جی خوش کر دیا۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ، میں اتنا خوش قسمت کہاں کہ تمہارا جی خوش کر سکوں۔" فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ہائیں، انگارے کیوں چبا رہے ہو؟"

"انگارے چبا رہی ہو گی تمہاری جوتی، ہاں مسٹر طاموور، تم نے جواب نہیں دیا — کیا میں گولی چلاؤں؟"

"زاکیل کو صرف یہ بات معلوم ہے کہ میں ایک گائیڈ ہوں، اسے یہ بات بالکل معلوم نہیں کہ میرا تعلق الوزا سے ہے۔"

"بہت خوب، اب ہم اس کا کیا کریں محمود؟"

"جو دوسروں کا کیا ہے۔ اس موقعے پر کسی کو زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"بالکل ٹھیک۔" یہ کہہ کر فاروق نے ٹریگر پر دباؤ ڈالا ہی تھا کہ ایک آواز نے انہیں چونکا دیا:

"ٹھہرو بچو، اتنی بھی کیا جلدی ہے؟"

محمود، فاروق اور فرزانہ نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا، انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"ہیلو دوست، تمہارا گروہ الوزا کہاں ہے؟ اس کا کیا بنا؟"

"پتا نہیں، میں خود حیران ہوں۔"

"اچھا تو پھر ذرا اور حیران ہو لو، کیونکہ پھر تمہیں حیران ہونے کا موقع کبھی نہیں ملے گا۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز حلق سے نکالی۔

"کیا مطلب؟" طاموور بوکھلا اٹھا۔

"یا تو تم یہ بتاؤ کہ الوزا کا کیا بنا، وہ کہاں ہے یا پھر جہنم کا رخ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، اگر وہ زندہ ہیں تو یہیں کہیں ہوں گے اور اگر انہیں کوئی گولی لگ گئی ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں — تمہیں چاہیے کہ لاشوں کو دیکھ لو۔"

"وہ ہم دیکھ لیں گے، پہلے تو تم اپنے ساتھیوں سے جا ملو، کیونکہ تمہیں ہمارے اصل نام معلوم ہو گئے ہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی ٹھیک طاموور کی پیشانی میں لگی — وہ کسی شہتیر کی طرح گرا۔

"اب ہمیں تمام لاشوں میں الوزا کو تلاش کرنا ہے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اپنے [illegible] جیب میں سے ٹارچ نکالی اور وہ چاروں لاشوں کو دیکھنے لگے — [illegible] الوزا کا کہیں پتا نہ چلا — آخر وہ مایوس ہو کر پھر کار کی طرف آئے اور دھک

سے رہ گئے۔

کالان کار کے پچھلے حصے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اور اس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے۔ وہ یہ تو بھول ہی گئے تھے کہ اس دوران کالان کو ہوش بھی آ سکتا ہے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو دوستو" اس نے سفاک لہجے میں کہا۔

خوفناک فیصلہ

چند سیکنڈ کے لیے وہ بت بنے کھڑے رہ گئے، پھر انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"تم لوگ بھی ہاتھ اوپر اٹھا دو بھئی، ایسا بھی ہوتا ہے۔"

ہاتھ اوپر اٹھنے لگے، لیکن فرزانہ کا ہاتھ درمیان میں اٹک سا گیا۔ کالان کی پوری توجہ انسپکٹر جمشید کی طرف تھی۔ اب اسے کیا معلوم تھا کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کن ہتھیاروں سے کام لیتے رہتے ہیں۔ اچانک کالان چیخ مار کر اچھلا اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔

"اس کیس میں ہم نے ان کھلونوں سے کام لینے کے سوا بھی کچھ کیا ہے؟" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟" فرزانہ بولی۔

"خیر، اب پھر اسے ہوش میں لانا ہوگا۔ اس کے بعد ہی ہم روانہ ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن ابا جان، آپ نے انوراکا کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"کیا سوچوں، وہ کوئی ہوّا تو نہیں۔ دیکھ لیں گے اسے بھی۔" انھوں نے کہا۔

چند منٹ بعد ہی کالان کو ہوش آگیا۔

"مسٹر کالان، میں نے پہلے ہی بتایا تھا کہ میرے بچے کالا علم جانتے ہیں، لیکن تم نے شاید اسے ایک گپ خیال کیا۔ اب بھی اگر مزاج درست نہیں ہوئے ہوں تو چند کرتب اور دکھائیں؟"

"نہیں، اب میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔" اس نے شکست زدہ آواز میں کہا۔

"تو پھر بیٹھ جاؤ کار میں، ہم اس کیمپ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔"

"وہ کیمپ یہاں سے بہت دور ہے۔ ہمیں شاید تمام رات سفر کرنا پڑے گا اور ہو سکتا ہے، کار میں اتنا پٹرول نہ ہو۔"

"پروا نہ کرو، یہاں انوراکا کی چار جیپیں موجود ہیں۔ ان میں پٹرول کے گیلن ضرور موجود ہوں گے۔ محمود، فاروق جلدی کرو، جیپوں سے پٹرول نکال لاؤ۔"

"جی بہتر۔"

تھوڑی دیر بعد وہ روانہ ہو رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید اب کالان کے ڈرائیور کی وردی میں تھے۔ ان کے برابر کالان بیٹھا تھا۔ محمود،

فاروق اور فرزانہ ان سے پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے اور محمود کا ہاتھ کالان کی گردن سے لگا تھا۔ اس کی گردن اور انگوٹھی کی نوک میں بس آدھ انچ کا فرق تھا۔ سڑک پر لاتے ہی انسپکٹر جمشید نے کار کو پوری رفتار پر چھوڑ دیا۔ ان کا رخ آگے کی طرف تھا، یعنی شہر سے مخالف سمت میں۔ تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد سڑک آگے دو سڑکوں میں بٹ گئی۔ کالان نے بائیں سڑک پر چلنے کا اشارہ کیا۔ سڑک دور دور تک سنسان تھی، شاید اس طرف کوئی نہیں آتا تھا۔ نہ یہ سڑک کسی شہر کو جاتی تھی۔ مزید ایک گھنٹے بعد پھر ایک دوراہا آیا اور کالان نے کار بائیں سڑک پر ڈالنے کا اشارہ کیا۔

"اب تین گھنٹے تک اسی سڑک پر چلنا ہوگا۔" کالان بولا۔

"اچھا۔" انھوں نے کہا اور رفتار بڑھانے لگے۔

"تم بہت تیز چلا رہے ہو، کہیں گاڑی کنٹرول سے باہر نہ ہو جائے۔" کالان نے فکرمند ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو، یہاں کون سا سامنے سے کوئی گاڑی آرہی ہے۔" وہ بولے۔

"تم کیمپ کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"ایک ضروری کام ہے۔" انھوں نے گول مول جواب دیا۔

"وہاں تمھیں موت ہی نصیب ہوگی۔" کالان بولا۔

"اگر نصیب میں یہی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد کالان اونگھنے لگا۔

"محمود، کہیں اس کے ساتھ تم بھی اونگھنا شروع نہ کر دینا۔ ہو سکتا ہے، یہ مکر کر رہا ہو۔"

"آپ مطمئن رہیں ۔۔۔ میں پوری طرح ہوشیار ہوں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔ تقریباً سوا دو گھنٹے بعد پھر ایک دوراہا آیا۔ انسپکٹر جمشید نے کالان کی طرف دیکھا ۔۔۔ وہ بدستور اونگھ رہا تھا۔

"محمود، ذرا اس کے ایک ٹھوکا لگاؤ۔"

محمود نے کالان کا سر پکڑ کر زور سے ہلا دیا۔

"ہاں، کیا بات ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"اب کس طرف چلنا ہے۔"

"دائیں طرف ۔۔۔ اب پھر تین گھنٹے چلنا ہے۔"

"یہ دوراہا تین گھنٹے کی بجائے سوا دو گھنٹے میں آیا ہے۔"

"اوہ، اس کا مطلب ہے، تم بہت تیز ڈرائیونگ کرتے رہے ہو۔"

"ہاں، میں دن نکلنے سے پہلے پہلے کیمپ تک پہنچ جانا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے کار دائیں طرف موڑ لی اور پہلے سے بھی تیز ڈرائیونگ کرنے لگے۔ محمود چوکس بیٹھا تھا، لیکن فاروق اور فرزانہ اونگھنے لگے تھے۔ اس بار انہیں صرف دو گھنٹے چلنا پڑا۔ اور ایک دوراہا آ گیا۔ انہوں نے پھر کالان کو جھنجوڑا اور بولے:

"دوراہا آ گیا ہے، اب کس طرف چلنا ہے؟"

"نہیں اب، ہم کیمپ کے نزدیک پہنچ گئے ہیں ۔۔۔ سیدھے چلتے رہو۔"

"دیکھ لو، کہیں تم ہمیں دھوکا تو نہیں دے رہے ہو ۔۔۔ اس صورت میں ہم تمہیں ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"اپنی جان کسے پیاری نہیں ہوتی ۔۔۔ سیدھے چلو، آدھ گھنٹے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں یا نہیں۔"

انہوں نے کار آگے بڑھا دی اور آدھ گھنٹے بعد انہیں واقعی ایک کیمپ کے آثار دکھائی دیے ۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے کار آہستہ کر لی، اور پھر کچھ اور آگے بڑھ کر اسے روک دیا ۔۔۔ اب انہیں کیمپ کی خاردار تاروں والی دیوار صاف دکھائی دینے لگی تھی اور وہ اپنے اندر جوش اور خوف دونوں کی آمیزش محسوس کر رہے تھے۔

○

وہ کار سے نیچے اتر آئے۔ کار انہوں نے درختوں کی اوٹ میں کھڑی کر دی تھی تاکہ کیمپ سے کسی کو نظر نہ آ سکے۔

"ہم یہاں ٹھہر کر پہلے کیمپ کا جائزہ لیں گے، پھر تم سے

چند ایک سوال کریں گے ـــ اس کے بعد پھر کار میں بیٹھ کر کیمپ جائیں گے۔"

"اور کیمپ جا کر کیا کرو گے۔" کالان نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا ـــ

"یہ تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ محمود کی طرف مڑے ـــ

"محمود، تم اس کے پاس ہی موجود رہو گے ـــ آدی مدد کے لیے فرزانہ کو بھی یہیں چھوڑے جا رہا ہوں، میں اور فاروق درختوں کی اوٹ لے کر کیمپ کو نزدیک سے دیکھنے کی کوشش کریں گے اور اس کے بعد واپس لوٹ آئیں گے ـــ آؤ فاروق۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا ـــ فرزانہ نے فوراً اپنے راکٹ کو ہاتھ میں لے لیا، اور اس کی سوئی پر انگلی رکھ دی، تاکہ ضرورت پڑنے پر فوراً سوئی کو دبایا جا سکے ـــ ادھر محمود بھی چوکس کھڑا ہو گیا ـــ انسپکٹر جمشید فاروق کے ساتھ کیمپ کی طرف بڑھنے لگے ـــ

ان کی واپسی تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد ہوئی ـــ یہاں صورتِ حال جوں کی توں تھی ـــ کالان نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، شاید اسے ان لوگوں کا اچھی طرح تجربہ ہو گیا تھا۔

"ہم کسی قدر نزدیک ہو کر کیمپ کا ایک رخ دیکھ آئے ہیں ـــ چاروں طرف کا جائزہ نہیں لے سکے۔ کیمپ کے چاروں طرف

تاروں کی دیواریں ہیں اور یہ دیواریں بہت اونچی ہیں ـ کوئی ان پر آسانی سے نہیں چڑھ سکتا ـــ دروازے پر ویسے ہی پہرہ رہتا ہو گا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" کالان نے کہا ـــ

"کیا تم اچھے بچوں کی طرح کیمپ کی سیر کراؤ گے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سیر، تو کیا تم صرف سیر کرنے کی غرض سے یہاں تک آئے ہو۔" کالان کے لہجے میں حیرت تھی ـــ

"اں، یہی سمجھ لو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا ـــ

"خیر تو سنو، کیمپ کی سیر تو تم میرے ساتھ بہت آسانی سے کر سکتے ہو، لیکن یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اس کیمپ کی حفاظت کے لیے ایک ہزار سپاہی مقرر کیے گئے ہیں۔"

"تو ہمیں اس سے کیا، ہم صرف سیر کرنا چاہتے ہیں۔"

"آؤ پھر، دیر کس لیے کر رہے ہو۔" کالان نے کہا، لیکن وہ کچھ پریشان سا لگ رہا تھا ـــ

"ٹھیک ہے ـــ چلو، خیال رہے، ہم کیمپ کے اندر پیدل سیر کریں گے ـــ کار باہر ہی چھوڑ دیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

انسپکٹر جمشید کار کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے کالان نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا اور بیٹھ گیا ـــ انسپکٹر جمشید

نے پستول کی نال اس دوران بدستور اس کی طرف اٹھی رہی تھی — کالان کے بعد محمود نے پچھلا دروازہ کھولا اور فاروق اور فرزانہ کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا، کیونکہ خود اسے کالان کے عین پیچھے بیٹھنا تھا، پھر جوں ہی محمود اندر بیٹھا، انسپکٹر جمشید نے پستول جیب میں رکھ لیا۔ کیوں کہ اب محمود کالان کی گردن کے قریب انگوٹھی رکھ چکا تھا اور فاروق اور فرزانہ بھی ایک ایک پستول سنبھالے بیٹھے تھے —

"کیمپ کے نزدیک پہنچ کر تم دونوں اپنے پستول جیب میں رکھ لینا — کالان کے لیے محمود ہی کافی ہے — مسٹر کالان کو معلوم ہے، محمود جب چاہے، اسے بے ہوش کر سکتا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے انجن چلا دیا — اور کار سڑک کی طرف چل پڑی — سڑک کے عین سرے پر کار پہنچی ہی تھی کہ محمود نے اپنے پیچھے سانپ کی پھنکار کی سی آواز سنی۔

"اپنے والد سے کہو کار کا رخ شہر کی طرف موڑ دے؛ ورنہ تمہاری گردن میں ایک سوراخ نظر آئے گا۔"

یہ پھنکار پوری کار میں پھیل گئی — انسپکٹر جمشید سناٹے میں آ گئے عین اس وقت جب وہ کیمپ کے نزدیک پہنچ گئے تھے اور کامیابی اب ان سے زیادہ دور نہیں تھی — اپنے خیال کے مطابق جب وہ تمام خطرات کو پیچھے چھوڑ آئے تھے تو یہ پھنکار ان کے

پیچھے پڑ گئی تھی —

انہوں نے صاف محسوس کیا تھا کہ آواز انوراکا کی ہے اور وہ کار کی سب سے پچھلی سیٹ سے بولا تھا — گویا اس وقت تک وہ پچھلی سیٹ کے نیچے یا درمیان میں دبکا رہا تھا۔ یہ ان کی غلطی تھی کہ جنگل میں انوراکا کو وحشیوں کے درمیان تو دیکھتے پھرے اور کار میں نہ دیکھا — لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ صورت حال اس وقت پوری طرح انوراکا کے ہاتھ میں تھی — وہ پیچھے مڑ کر دیکھ بھی نہیں سکتے تھے؛ تاہم انسپکٹر جمشید نے کار فوراً ہی شہر کی طرف نہیں موڑی — انوراکا کے الفاظ سنتے ہی ان کے ذہن میں بجلی سی کوندی اور پھر انہوں نے ایک لمحے کے اندر ایک فیصلہ کیا — ایک خوف ناک فیصلہ —

اصل پروگرام

انسپکٹر جمشید نے سوچا تھا کہ اگر انھوں نے انوراکا کا حکم مان لیا اور کار کو شہر کی طرف موڑ دیا تو اب تک کے کیے کرائے پر پانی تو پھر ہی جائے گا — دوست ملک کے قیدی بھی بدستور قیدی ہی رہیں گے اور خود وہ دشمن کی قید میں چلے جائیں گے اور دشمن ان کے جسموں کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالے گا؛ چنانچہ انھوں نے ان لمحات میں ایک خوفناک فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ جان جائے تو جائے، چاہے ہم میں سے کوئی کم ہی کیوں نہ ہو جائے۔ وہ کار کا رخ شہر کی طرف نہیں کریں گے۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ انوراکا کے الفاظ ختم ہوتے ہی یہ ظاہر کیا، جیسے ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہوں، حواس جواب دے گئے ہوں، ظاہر ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا — کار بُری طرح لڑکھڑائی اور ایک درخت سے جا ٹکرائی — سب کو ایک زبردست دھکا لگا اور اسی دھکے کے

ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کار سے باہر آ گرے — انھوں نے بلا کی پھرتی سے کار کا دروازہ کھولا تھا۔

دھکے نے انوراکا کو بھی ڈانوا ڈول کر دیا تھا — محمود، فاروق، فرزانہ اور کالان بھی سنبھلے نہ رہ سکے تھے — لیکن چونکہ انسپکٹر جمشید کا یہ اپنا پروگرام تھا، اس لیے انھوں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھا لیا تھا — دوسرے ہی لمحے وہ لڑھکتے ہوئے ایک درخت کی اوٹ میں چلے گئے —

انوراکا نے جب خود کو سنبھال کر ادھر دیکھا، جدھر انسپکٹر جمشید کے موجود ہونے کا امکان تھا تو اس نے انھیں غائب پایا — وہ فوراً ہی سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ چال چل گئی ہے؛ چنانچہ اس نے پستول کا رخ محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف کرتے ہوئے کہا —

"چلو باہر نکلو اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو — پستول کار میں ہی گرا دو۔"

تینوں باہر نکل آئے اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے — اس دوران فاروق اور فرزانہ کوشش کے باوجود اپنے پین اور لاکٹ سے فائدہ نہیں اٹھا سکے تھے، کیونکہ انوراکا کی نظریں ان پر بُری طرح جمی ہوئی تھیں — رہا کالان، اس کی طرف تو انوراکا نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا — کالان تو جیسے انوراکا کی آواز

سُن کر پتھر کا بُت بن گیا تھا۔

"انسپکٹر جمشید عرف اصل، تم جہاں کہیں بھی چھپے ہوئے ہو، سامنے آ جاؤ! ورنہ میں تمہارے تینوں بچوں کو گولی کا نشانہ بنانے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگاؤں گا، میں نے تم لوگوں کو اسی وقت پہچان لیا تھا، جب تینوں بچوں نے اپنے اصل نام لیے تھے۔"

جواب میں ایک فائر ہوا اور پستول انولاکا کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"بہت خوب، وہ مارا۔" فرزانہ خوشی سے چلائی۔ انولاکا دھک سے رہ گیا۔ اب کالان بھی کار کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید درخت کے پیچھے سے نکل کر ان کے سامنے آ گئے تھے۔

"لو سامنے آ گیا، اور کیا حکم ہے۔" وہ مسکرا کر بولے۔

"اف خدا! کیا تم واقعی انسپکٹر جمشید ہو۔" کالان نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"ہاں، انولاکا کا اندازہ بالکل درست ہے اور میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اس کی چھٹی حس واقعی صحیح خبر دیتی ہے۔" وہ بولے۔

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟" کالان نے کہا۔

"پروگرام کیا ہوگا۔ سیر کریں گے بھئی کیمپ کی۔"

"اس کے لیے انولاکا کو ٹھکانے لگانا ہوگا۔ اب اس کی زندگی میری موت ہوگی۔" کالان نے سرد آواز میں کہا۔

"ملک کے غدار، میں تم سے سمجھ لوں گا۔" انولاکا نفرت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

"اب تمہیں اتنا وقت کہاں ملے گا، مسٹر انسپکٹر جمشید، اگر تم کیمپ کی سیر کرنا چاہتے ہو تو انولاکا کو ختم کر دو۔"

"ہاں، مجھے یہی کرنا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید بولے اور ان کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالتی چلی گئی۔ فائر ہوا، ساتھ ہی انولاکا اچھلا اور انسپکٹر جمشید پر آ گرا۔ ان کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ یہ کیسے ہو گیا۔ انولاکا گولی سے کس طرح بچ گیا اور نہ صرف بچ گیا، بلکہ ان کے اوپر بھی آ گرا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ ابھی وہ حیران ہی تھے کہ انسپکٹر جمشید انہیں زمین سے کئی فٹ اوپر اچھلتے نظر آئے۔ پستول بھی اب ان کے ہاتھ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید وہ اس وقت ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا، جب انولاکا ان پر گرا تھا۔ یہ دیکھ کر ان تینوں نے کار کی طرف دوڑ لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ کار سے اپنے پستول اٹھا چکے تھے اور ان تینوں کی نالوں کا رخ انولاکا کی طرف کر دیا گیا تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو انولاکا۔" محمود سرد آواز میں بولا۔

"نہیں محمود، یہ مردانگی کے خلاف ہوگا۔ پہلے مجھے اس سے نبٹ لینے دو، اگر میں مارا گیا تو تمہیں اختیار ہوگا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ایک ایک قدم چل کر انوراکا کی طرف بڑھنے لگے۔ انوراکا انہیں طنزیہ انداز میں دیکھ رہا تھا، جیسے کوئی بچہ ان کے مقابلے میں آ رہا ہو۔ نزدیک پہنچتے ہی انسپکٹر جمشید نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ بچاؤ کے لیے انوراکا نے بھی ہاتھ آگے کر دیے۔ دونوں نے انگلیوں میں انگلیاں پھنسا لیں اور ایک دوسرے کے بازو موڑنے کے لیے زور لگانے لگے، لیکن کئی منٹ کی زور آزمائی کے بعد بھی کوئی دوسرے کے بازو نہ موڑ سکا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے ایک جھٹکا مار کر انگلیاں نکال لیں۔ انہوں نے دائیں ہاتھ کا ایک مکا انوراکا کی ناک پر رسید کرنا چاہا، لیکن انوراکا نے تیزی سے جھکتے ہوئے ان کے پیٹ میں جوابی مکا مارا۔ وہ دوہرے ہو گئے۔ ساتھ ہی ان کی کمر پر انوراکا کا دوہتڑ لگا اور وہ دھپ سے زمین پر منہ کے بل گرے، فوراً ہی انوراکا انہیں چھاپ بیٹھا۔ اس کے دونوں ہاتھ ان کی گردن کے گرد کس گئے۔ اب وہ ان کی کمر پر سوار تھا اور ان کی گردن اس کے دونوں ہاتھوں میں تھی۔ ان کا دم گھٹنے لگا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ پریشان ہو گئے۔ کالان کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں، کیونکہ اسے معلوم تھا، اگر انوراکا زندہ بچ گیا تو اس کی خیر نہیں۔ پھر انہوں نے

ایک حیرت ناک منظر دیکھا۔ انسپکٹر جمشید ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل پر آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہے تھے۔ انوراکا انہیں اوپر اٹھنے سے کسی طرح بھی نہیں روک سکا۔ تاہم اس نے گلا گھونٹنے کے لیے پورا زور لگا دیا۔

اچانک انسپکٹر جمشید سیدھے اٹھ گئے۔ انہوں نے ایک زوردار چکر کھایا اور جھٹکے سے رک گئے۔ انوراکا اس جھٹکے کو ہضم نہ کر سکا، اس کے ہاتھ گردن سے الگ ہو گئے اور وہ پورے زور میں زمین پر گرا۔ یہ موقع انسپکٹر جمشید کے لیے بہترین تھا۔ انہوں نے تیزی سے جھکتے ہوئے بائیں ہاتھ کی ہڈی اس کی گردن پر رسید کی۔ انوراکا کے حلق سے دبی دبی ایک چیخ نکل گئی، پھر انسپکٹر جمشید نے پستول محمود کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور نالی کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے بولے:

"لو مسٹر انوراکا۔ اب پھر بچ کر دکھاؤ۔ گولی تمہاری طرف آ رہی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا۔ انوراکا کے جسم کو زبردست دھکا سا لگا اور وہ تڑپنے لگا۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔

"چلیے کالان صاحب، آپ کا دشمن ختم ہوا۔"

"بہت بہت شکریہ، میں آپ کو کیپ لی بیر پوائنٹ نکلوا

سے کرا سکوں گا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"تو پھر آئیے۔"

تھوڑی دیر بعد کار کیمپ کی طرف جا رہی تھی۔ خاردار تاروں کی دیوار بہ لمحہ ان کے نزدیک آ رہی تھی اور جب وہ خاردار تاروں کی دیوار کے بالکل نزدیک پہنچے تو انھوں نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔

تاروں سے ایک لاش لٹک رہی تھی۔ لاش کا بدن گولیوں سے چھلنی کیا جا چکا تھا۔ شاید اس قیدی نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی اور وہ خاردار تاروں کی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف اتر جانا چاہتا تھا، لیکن محافظوں نے ان پر گولیاں چلا دیں۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاش کو دیکھتے رہ گئے۔ آزادی کا متوالا اپنے ہی خون میں نہایا ہوا تھا۔ ان کی کار اب دیوار کے ساتھ ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

○

"ایک بات یاد رکھیے کالان صاحب، سیر کے دوران صرف آپ ہمارے ساتھ رہیں گے۔"

"فکر نہ کریں۔ انوالا کو مار کر آپ نے وہ کام کیا ہے کہ

میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا۔" کالان نے خوش ہو کر کہا۔

جوں ہی ان کی کار گیٹ تک پہنچی، پہرے دار اٹن شن ہو گئے۔ ان کے ہاتھ سیلوٹ کے لیے اٹھ گئے۔ ایڑیاں بجنے لگیں۔ کار کے لیے دروازہ کھول دیا گیا تھا، لیکن کالان نے کار باہر ہی چھوڑی اور ان کے ساتھ پیدل چلتا ہوا دروازے میں داخل ہو گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سب سے آگے وہ تھا، اس کے پیچھے انسپکٹر جمشید اور پھر محمود، فاروق اور فرزانہ۔ فرزانہ کا ہاتھ اپنے کلپ پر تھا اور وہ ایک سیکنڈ میں اس کی سوئی دبا سکتی تھی۔ فاروق نے قلم اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ انسپکٹر جمشید کے دونوں ہاتھ جیبوں میں تھے اور ان کے دائیں ہاتھ کی انگلی جیب میں رکھے پستول کے ٹریگر پر تھی۔

کمانڈر انچیف کے آنے کی اطلاع کرنل روباشی کو مل چکی تھی، لہٰذا وہ دوڑتا ہوا آیا:

"اپنی ڈیوٹی پر موجود رہو روباشی، میں اپنے مہمانوں کو ذرا کیمپ دکھانے لایا ہوں۔"

"لیکن سر....." روباشی نے کچھ کہنا چاہا۔

"کوئی لیکن ویکن نہیں، اپنی ڈیوٹی پر موجود رہو۔ میں چکر لگانے کے بعد تمہارے پاس آؤں گا اور تم سے چند سوالات کروں گا۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور واپس مڑ گیا۔ اس کے چہرے
پر پریشانی کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے۔

وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ قیدیوں کے احاطے
میں پہنچ گئے۔ اس وقت تک چونکہ دن نکل چکا تھا اور سورج
کافی اوپر آ چکا تھا، اس لیے تمام قیدی ایک کھلے میدان میں
جمع تھے۔ ان کے چاروں طرف سنگینیں لگی ہوئی رائفلوں والے
پہرے دار موجود تھے۔ یہ ان سے پریڈ کرا رہے تھے۔ کالان کو
دیکھ کر پہرے دار رک گئے اور جلدی جلدی اسے سلیوٹ کرنے
لگے۔

"تم لوگ ہٹ جاؤ، ذرا میں قیدیوں کے درمیان چل پھر کر
ان کا جائزہ لوں گا۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

اس کے ساتھی ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے
چہروں پر بھی حیرت نظر آئی، لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی اور
آگے بڑھتے گئے۔ قیدی کالان کی بجائے ان چاروں کو حیرت بھری
نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جب وہ قیدیوں کے عین درمیان میں
پہنچ گئے تو انسپکٹر جمشید جان بوجھ کر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ یہاں
تک کہ کالان سے کافی پیچھے رہ گئے۔ اب انہوں نے دبی آواز
میں اپنے نزدیک کے قیدیوں سے کہا:

"ہم تمہارے ملک کے بھیجے ہوئے جاسوس ہیں اور تم لوگوں کو

رہائی دلانے آئے ہیں۔ یہ بات کانوں کان تمام قیدیوں تک پہنچا دو
اور موقع کے منتظر رہو۔ میری طرف سے تمہیں اشارہ ملے گا۔"

قیدیوں نے ان کے الفاظ سن کر حیرت زدہ انداز میں ان
کی طرف دیکھا، شاید انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا، تاہم
ان کی بات کانوں کان جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیلتی چلی
گئی۔ اور صرف چند منٹوں میں سب کو یہ خبر ہو گئی۔

ادھر انسپکٹر جمشید یہ پیغام دے کر پھر کالان کے پیچھے پہنچ گئے
تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب انہوں نے محسوس کر لیا کہ ان کا پیغام
سب قیدیوں تک پہنچ گیا ہے، تو اچانک انہوں نے کالان سے کہا:

"مسٹر کالان، اب ہمارا اصل پروگرام شروع ہوتا ہے۔"

"اصل پروگرام، کیا مطلب؟" کالان نے چونک کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے قیدیوں کو اشارہ کیا۔

"کالان کو دونوں طرف سے اچھی طرح پکڑ لو۔"

"کیا مطلب؟" کالان چونکا۔

"ہم ان قیدیوں کو چھڑانے آئے ہیں۔ اپنے پہرے داروں سے
کہو، وہ رائفلیں گرا دیں؛ ورنہ ہم تمہارا جسم بالکل اسی طرح گولیوں
سے چھلنی کر دیں گے۔ جس طرح تاروں سے نکلی اس لاش کو [illegible]

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ تم ایسا ہی کوئی ارادہ رکھتے ہو۔ لیکن
[illegible] کر ہی کیا سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے پہرے داروں کو حکم دیا

"اپنی رائفلیں نیچے رکھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ — میں تمہارا امتحان لینا چاہتا ہوں۔"

پہرے داروں نے اس حکم کو حیران ہو کر سنا، کیونکہ کیا نڈر انچیف قیدیوں کے درمیان گھرا نظر آ رہا تھا، ظاہر ہے، ایسے میں وہ ان کا کیا امتحان لیتا؛ تاہم انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور رائفلیں نیچے گرا دیں — انسپکٹر جمشید کے اشارہ کرنے پر قیدی آگے بڑھے اور تمام رائفلیں اپنے قبضے میں کر لیں۔

"اب، تم سب اپنے منہ دوسری طرف کر لو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

لیکن وہ جوں کے توں کھڑے رہے۔

"مسٹر کالان، انہیں حکم دیں۔"

"منہ دوسری طرف کر لو۔"

سب نے منہ دوسری طرف کر لیے۔

"ان سب کی کمروں سے سنگینوں کی نوکیں لگا دو — انگلیاں ٹریگروں پر رکھ لو اور صحن سے باہر گیٹ کی طرف انہیں آگے رکھے ہوئے چلو، اگر تم پر حملہ کیا گیا تو پہلے یہ لوگ مریں گے۔"

قیدیوں نے ایک زور دار نعرہ لگایا اور انہوں نے پہرے داروں کو سنگینوں کے ذریعے آگے کی طرف دھکیلنا شروع کیا — صحن سے باہر نکلے تو سامنے سے کرنل روباش پریشان سا آتا دکھائی دیا۔

"کرنل روباش، تم ہماری رائفلوں کی زد میں ہو، اس لیے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

روباش نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ منظر دیکھا اور پھر جب ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تو اس نے مجبور ہو کر ہاتھ اٹھا دیے، کیونکہ اس کا تو کمانڈر ان لوگوں کی قید میں تھا۔

"اب اپنے تمام ساتھیوں کو میدان میں بلا لو، فوراً — اگر کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو بہت خونریزی ہو گی۔"

کرنل نے تین بار سیٹی بجائی، تمام سپاہی چند منٹ کے اندر اندر میدان میں جمع ہو گئے۔

"انہیں حکم دو کہ اپنی رائفلیں گرا دیں؛ ورنہ تمہارا اور مسٹر کالان کا جسم چھلنی کر دیا جائے گا۔"

"رائفلیں نیچے رکھ کر کمانڈر کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" کرنل روباش نے محتاط الفاظ استعمال کیے۔ سپاہیوں نے رائفلیں نیچے رکھ دیں۔

"اب منہ دوسری طرف کر لو۔"

ان کے منہ دوسری طرف کرنے کی دیر تھی کہ انسپکٹر جمشید کے اشارے پر قیدیوں نے ان رائفلوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

"اب آپ سب کو گھیرے میں لے لو — ان کے کپڑے اتروا کر خود پہننا شروع کر دو — میں اس کام کے لیے تمہیں صرف دو گھنٹے دیتا ہوں — دو گھنٹے کے بعد ہم مسٹر کالان کے ساتھ یہاں سے جیپوں میں

تمہارے ملک کی سرحد کی طرف روانہ ہوں گے۔ سرحد پر پہنچ کر مسٹر کالان سرحد پر اس جگہ موجود سپاہیوں کو وہاں سے ہٹا کر انہیں متعین کرنے کا کام شروع کر دیں گے اور پھر صرف ہم مسٹر کالان کو اپنے ساتھ لے کر تمہارے ملک کی سرحد کی طرف بڑھیں گے، کیونکہ سب کے اس طرف بڑھنے کی صورت میں ادھر سے فائرنگ شروع کر دی جائے گی۔ لیکن جب میں جا کر صورتِ حال بتاؤں گا تو پھر تم سب بحفاظت اپنے ملک میں داخل ہو جاؤ گے۔"

"اور اس کے بعد؟" کالان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"اس کے بعد تم آزاد کر دیے جاؤ گے، مسٹر کالان۔"

"لیکن میں کس طرح یقین کر لوں؟"

"یقین کرنے کے سوا تمہارے لیے راستہ بھی کون سا رہ گیا ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" اس نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

لباس کی تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا۔ دو گھنٹے بعد انہوں نے تمام قیدیوں کو باندھ باندھ کر کیمپ کے اندرونی حصے میں ڈال دیا تھا اور خود ان کے لباس پہن لیے تھے۔ روباش کو بھی باندھ کر چھوڑ دیا گیا۔ تمام وائرلیس سیٹ توڑ دیے گئے تاکہ کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ اس کے بعد تمام جیپوں میں قیدی سوار ہو گئے۔ سب سے اگلی جیپ میں کالان، انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ سوار ہو گیا۔ اب بھی محمود کا ہاتھ اس کی گردن کے

بالکل نزدیک تھا اور اس طرح وہ کیمپ سے روانہ ہوئے۔ انسپکٹر جمشید خون کا ایک قطرہ تک بہائے بغیر یہاں سے روانہ ہو رہے تھے، اگر وہ چاہتے تو کیمپ میں موجود تمام سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا، لیکن انہوں نے غیر ضروری کشت و خون کو مناسب نہیں سمجھا۔ رخصت ہوتے وقت انہوں نے اس قیدی کی لاش بھی تاروں پر سے اتروا لی تھی۔ قیدیوں سے معلوم ہوا کہ ان کے نہ جانے کتنے ساتھی فرار ہونے کی کوشش میں اب تک شہید ہو چکے ہیں۔

رات کے دس بجے کے قریب وہ سرحد پر پہنچ گئے۔ سرحد پر فوجی جیپوں کی آمد سے سرحد پر موجود سپاہیوں کو یہ بات سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کوئی تبدیلی عمل میں آنے والی ہے، پھر جب کالان نے انہیں پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا تو انہیں تبدیلی کا یقین ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ، کالان کو ساتھ لے کر سرحد کے دوسری طرف یعنی دوست ملک کی طرف رخ کر رہے تھے۔ اس طرف جب موجود سپاہیوں نے کچھ لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ چوکس ہو گئے۔ کچھ اور نزدیک پہنچنے پر انہوں نے کہا۔

"خبردار، وہیں رک جاؤ، تم لوگ ہماری حدود میں گھس آئے

ہو۔ کیوں نہ تم پر گولی چلا دی جائے۔"

"ہم دوست ہیں۔ میرا نام انسپکٹر جمشید ہے۔ تم وزیرِ دفاع عالی شاہ کو فون کرکے میرے بارے میں ہدایات لے سکتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے پُر وقار انداز میں کہا۔

"اوہ، آپ کے بارے میں تو ہمیں پہلے ہی اطلاعات مل چکی ہیں۔" آواز سنائی دی، پھر ایک فوجی آگے بڑھنے لگا۔ یہ ایک کیپٹن تھا۔ اس نے انسپکٹر جمشید سے ہاتھ ملایا اور بولا:

"لیکن میں کیسے یقین کروں کہ یہ آپ ہی ہیں؟"

"میرے ساتھ ان تینوں بچوں کو دیکھ کر آپ کو کوئی شک نہیں رہ جانا چاہیے۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ تینوں بھی اس مہم پر میرے ساتھ روانہ ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اسے یاد دلایا۔

"جی ہاں، ہمیں معلوم ہے۔ خیر، یہ بتائیے اب صورتِ حال کیا ہے؟"

انہوں نے جلدی جلدی صورتِ حال بتائی۔ کیپٹن سوچ میں پڑ گیا اور بولا:

"لیکن جناب، میں اتنا بڑا خطرہ کس طرح مول لے سکتا ہوں۔ دیکھیے نا، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دشمن یہ چال چل کر ہم پر بے خبری میں حملہ کرنے کا پروگرام بنا چکا ہو۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ خیر ہم اپنے میک اپ اتار کر آپ کو اپنے اصلی چہرے دکھاتے ہیں، اگر پھر بھی یقین نہ آیا تو عالی شاہ صاحب کو فون کیا جائے گا، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو، ان لوگوں کو کسی طرح اس واقعے کی اطلاع ہو جائے اور آپ کے قیدی، قیدی ہی رہ جائیں۔"

"ہوں۔ خیر، آپ کم از کم میک اپ تو اتار کر دکھائیں۔"

چند منٹ کے اندر انہوں نے میک اپ اتار دیا اور ان کے اصلی چہرے نظر آنے لگے۔ کالان اور کیپٹن یہ سب کچھ حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ آخر کیپٹن نے کہا:

"ٹھیک ہے، وقت نازک ہے۔ اس لیے آپ جا کر قیدیوں کو لے آئیے۔ کہیں آپ کی محنت ضائع نہ چلی جائے۔"

"شکریہ، آپ کو یقین تو آیا۔"

یہ کہہ کر وہ کالان کو لے کر واپس پلٹے۔ دوسری طرف پہنچ کر انہوں نے قیدیوں کو اشارہ کیا اور وہ جلدی جلدی سرحد عبور کرنے لگے۔ ان سے پہلے سرحد پر جو سپاہی کھڑے تھے، وہ یہی خیال کر رہے تھے کہ ان کا کمانڈر کوئی فوجی چال چل رہا ہے۔ اور جب تمام قیدی اپنے ملک کی حد میں داخل ہو گئے تو انسپکٹر جمشید نے کالان سے کہا:

"مسٹر کاوان، میں نے آپ کو زندہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تھا، میں یہ وعدہ پورا کر رہا ہوں۔ آپ کا دشمن بھی ہلاک ہو چکا ہے، لہذا اب آپ کوشش کیجیے گا کہ اپنے پڑوسی ملک سے دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ اسی میں آپ کی اور آپ کے پڑوسی ملک کی بہتری ہے۔ بڑی طاقتیں چھوٹے ملکوں کو آپس میں لڑا لڑا کر اپنا مفاد حاصل کرنے کے منصوبے بناتی رہتی ہیں۔ اچھا، اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ میری جیب میں موجود پستول کی نالی کا رخ ابھی تک آپ کی طرف ہے اور انگلی ٹریگر پر رکھی ہے۔ دوسرے یہ کہ میرے بچے بھی پوری طرح ہوشیار ہیں اور آپ کو آناً فاناً بے ہوش کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، آپ لوگ بے فکر ہو کر جا سکتے ہیں۔ میرے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ آپ نے اولاکا کا کانٹا نکال دیا ہے۔"

انہوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے اور الٹے قدموں واپس ہوئے۔ وہ اسی طرح چلتے ہوئے دوست ملک کی سرحد کی طرف بڑھنے لگے۔ خطرہ تھا کہ کاوان اچانک حملہ نہ کرا دے لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی اور وہ خیریت سے قید یوں تک پہنچ گئے۔ کاوان ابھی تک کھڑا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ دوسری طرف مڑے تو انہوں نے دیکھا، تمام قیدی ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے اور ان کی بندوقیں نیچے پڑی تھیں۔

دھمکی

"یہ کیا ؟ تم ہاتھ اوپر اٹھائے کیوں کھڑے ہو ؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"کیپٹن کا حکم یہی ہے ، شاید وہ ابھی تک اس سارے چکر کو کوئی چال سمجھ رہے ہیں " ایک قیدی نے کہا۔

"اوہ ، میں بات کرتا ہوں "

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے ۔ انہیں جلد ہی کیپٹن کے خیمے تک پہنچا دیا گیا ۔ وہ اس وقت وائرلیس پر کسی سے بات کر رہا تھا پھر ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا :

"میں نے عالی شاہ صاحب کو اطلاع دی ہے ، وہ ابھی پہنچ رہے ہیں ۔ اس وقت تک قیدیوں کو اسی طرح کھڑے رہنا ہو گا "

"آپ شاید ضرورت سے زیادہ ہی محتاط آدمی ہیں ۔ خیر کوئی بات نہیں " انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

کیپٹن نے انہیں کرسیوں پر بٹھا دیا ۔ بیس منٹ بعد عالی شاہ

خیمے میں داخل ہوئے اور بے ساختہ انسپکٹر جمشید سے بغل گیر ہو گئے ۔

"اف میرے خدا ، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ نہ صرف اس کیمپ کا پتا لگا کر آ جائیں گے ، بلکہ قیدی بھی چھڑا کر لے آئیں گے ۔ آخر یہ کیسے ہو گیا ؟ مجھے تو اپنے کانوں پر اب تک یقین نہیں آ رہا " وہ جذباتی انداز میں کہتے چلے گئے ۔

"پہلے تو ان قیدیوں کی مشکل آسان کرائیے ، جو پچیس منٹ سے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے ہیں اور پہلے ہی کئی ماہ دشمن کی قید میں سختیاں جھیل کر آئے ہیں "

"اوہ ہاں ، کیپٹن کو اس سلسلے میں کچھ الزام نہیں دینا چاہیے تھا ۔ دراصل میں نے انہیں صرف آپ کے اور بچوں کے بارے میں تو بتا رکھا تھا ، یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ سارے قیدیوں کو بھی واپس لے آئیں گے "

"ٹھیک ہے ، مجھے ان سے گلہ نہیں "

تھوڑی دیر بعد عالی شاہ ان کی کہانی سن رہے تھے اور بار بار کرسی سے اچھل اچھل پڑ رہے تھے ۔ ان کے خاموش ہونے پر وہ بولے :

"آپ کو میرے ساتھ اسی وقت صدر صاحب کے ہاں چلنا ہو گا ۔ آپ کے اس کام کے لیے شکریہ وہی ادا کر سکتے ہیں "

صدر صاحب سے ملاقات اور بھی خوش گوار رہی ۔ انہوں نے

کہ آخر ایک دن ان کا مہمان بننے پر انہیں مجبور کر دیا۔ دوسرے دن دشمن ملک کا اخبار ان کے سامنے رکھا گیا — وہ یہ خبر پڑھ کر دھک سے رہ گئے کہ الوراکا زندہ بچ گیا تھا — اس کے ساتھی اسے تلاش کرتے ہوئے کیمپ تک پہنچ گئے تھے اور انہوں نے اسے ہسپتال پہنچا دیا تھا — الوراکا کے بیان پر کالان اور وشپا کو گرفتار کر لیا گیا تھا — الوراکا کی طرف سے ایک دھمکی بھی شائع ہوئی تھی — دھمکی کے الفاظ یہ تھے:

"یہ جو کچھ ہوا کالان اور وشپا کی وجہ سے ہوا اور اس سارے کارنامے کے اصل مجرم انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہیں، لہٰذا میں بہت جلد اپنا انتقام ان لوگوں سے لوں گا — یہ میرے انتقام سے کسی صورت بچ نہیں سکیں گے۔ میں کسی روز اچانک ان کے ملک میں پہنچ جاؤں گا اور پھر ان سے سمجھ لوں گا —

الوراکا"

"اسے چاہیے کہ فرزانہ سے ابھرا سمجھ لے، یہی کافی ہو جائے گا۔" محمود نے دھمکی کے الفاظ پڑھنے کے بعد کہا۔

"پھر تو ہمیں اس کے استقبال کے لیے اپنے ملک پہنچ جانا چاہیے۔" محمود نے کہا۔

"اب وہ اتنی جلدی تو آنے سے رہا۔" فرزانہ بولی۔

"خیر، کچھ بھی ہو — وہ جب بھی آئے، ہے وہ ایک خوفناک دشمن۔" محمود بولا۔

"تو کیا ہم اس سے ابھی سے خوف کھانا شروع کر دیں؟" فاروق نے منہ بنایا —

"یہ کس احمق نے تم سے کہا ہے؟" محمود اس پر الٹ پڑا —

"تم نے۔" فاروق شریر انداز میں مسکرایا اور محمود کا ہاتھ اس پر چل گیا — فاروق نے بڑی مشکل سے خود کو اس کے ہاتھ سے بچایا اور فرزانہ سے بولا:

"فرزانہ، مہربانی فرما کر اس ہاتھ کو تم وصول کر لو، میں بہت تھک گیا ہوں۔"

اس وقت تک فرزانہ کے گال پر محمود کا ہاتھ زور سے پڑ چکا تھا — وہ تلملا اٹھی اور جھلا کر فاروق پر جھپٹی —

"ارے ارے، میں نے کیا کیا ہے — ہاتھ تو محمود کا رسید کیا ہے تم نے۔"

فاروق بوکھلا کر بولا اور ساتھ ہی اٹھ کر بھاگا، دوسری طرف سے سردار صاحب چلے آ رہے تھے — یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — شاید وہ سوچ رہے تھے کہ یہ ہیں وہ بچے جن کی مدد سے انسپکٹر جمشید حیرت انگیز کارنامے انجام دیتے

ہی — فاروق انہیں دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا — اور جھینپتے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا — اس کے مسکرانے کے انداز نے صدر صاحب کو بے تحاشا ہنسنے پر مجبور کر دیا، پھر کیا تھا، انسپکٹر جمشید سمیت سبھی ہنس رہے تھے —

دھماکہ
کے منتظر قارئین کے لیے اس سال کا دھماکہ
آپ کے دو جانے پہچانے نام
چاند ستارے
کے بعد — پھر ایک مرتبہ — ایک ساتھ
سعید مختار — طاہر ایس ملک
کی مشترکہ پیش کش
عمران سیریز
سعید مختار اور طاہر ایس ملک
کی
یہ تخلیق، تفریحی اور جاسوسی ادب میں ایک خوشگوار اضافہ ثابت ہوگی۔
ابن صفی (مرحوم) کے خوبصورت کرداروں کو زندہ کرنے کی ایک کامیاب کوشش
ابن صفی کی یادیں تازہ کر دینے والے ناول بہت جلد شائع ہو رہے ہیں۔
تفصیلات کے لیے آئندہ ماہ کے ناول دیکھنا نہ بھولیے گا

www.UrduFanz.com
ترتیب پبلشرز ۔ ۱۔ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ' اردو بازار لاہور